سلاطینِ ہند

اور

اشاعتِ اسلام

ڈاکٹر حافظ محمد ا

سلاطین ہند

اور

اشاعت اسلام

ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق خلیل

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO: 509603
★ MAILSI ★

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

بار .. اوّل

تاریخ طباعت .. نومبر ۱۹۷۰

مطبع .. ایجوکیشنل پریس، کراچی

قیمت .. [redacted] روپے

ملنے کا پتہ .. کراچی بک ڈپو، اردو بازار، کراچی

ناشر .. محمد ذکریا، بی اے ایل ایل بی،
دستگیر سوسائٹی۔ کراچی

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

اِنتساب

مَیں اِس کتاب کو اپنی والدہ مرحومہ کے نام سے معنون کرتا ہوں —— عمر بھر جس کی محبت میری خدمتگر رہی

ہندوستان میں مسلم سلاطین کے ذریعہ ہندوؤں کے ۱۰۰۰ء
تا ۱۴۵۰ء کے زمانہ میں بالجبر مسلمان کرنے کے متعلق بعض
تاریخی روایات کا تنقیدی مطالعہ ۔

اِنعام یافتہ

فضلِ عُمر فاؤنڈیشن

ترتیب

۱ پیش لفظ

۲ بردتہ کے قبولِ اسلام کی حقیقت

۳ کول اور کالنجر کے باشندوں کے قبول اسلام کی حقیقت

۴ بنگال میں "لوگوں" کو پندرھویں صدی کے ابتدا میں بالجبر مسلمان کرنیکا الزام

۵ فیروز تغلق پر جزیہ کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرنے کے الزام کی تردید

۶ ابن بطوطہ کی ایک روایت پر تنقید

۷ کشمیر میں سلطان سکندر پر ہندؤں کو بالجبر مسلمان کرنے کا الزام

۸ سلطان سکندر لودھی

۹ سلطنت دہلی کے ہندؤں کے متعلق مؤرخ برنی کی ذاتی رائے۔

حصہ دوم :

۱۰ ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کن ذرائع سے ہوئی۔

۱۱ حرف آخر

۱۲ ایک جغرافیائی جائزہ

۱۳ انگریزی میں مقالہ کا خلاصہ

پیش لفظ

برصغیر ہندوستان میں اشاعت اسلام کے متعلق متعدد کتب لکھی جا چکی ہیں ۔ قیام پاکستان کے بعد تاریخ اسلام کے اس باب کی طرف توجہ اور بھی زیادہ دی جا رہی ہے ۔ اس ضمن میں چند واقعات ایسے بھی ہیں جو انگریزوں اور ہندو تاریخ نویسوں کی طرف سے شعوری یا غیر شعوری رنگ میں بھارت و پاکستان کے مسلمانوں کو طعنہ زنی اور اعتراضات کا ہدف بنانے کے لئے استعمال کئے جاتے رہے ہیں ۔ ادھر ہمارے مسلمان تاریخ نویسوں کی طرف سے اگرچہ اشاعت اسلام کے متعلق متعدد بنیادی تاریخی مواد عربی اور فارسی مؤاخذ سے اکٹھا کر کے پیش کیا گیا ہے تاہم ان اعتراضات کی طرف ابھی تک تحقیقی توجہ نہیں کی گئی ۔ صفحات آئندہ میں ایسے ہی چند اعتراضات پر مسلم تاریخ کے تحقیقی نقطہ نظر سے بحث کی جائے گی ۔

تحقیق ہذا کے پس منظر کے طور پر یہ بھی مدنظر رکھنا مناسب ہوگا کہ مغربی ممالک بالخصوص جرمنی اور انگلستان میں مسلم تاریخ کو گذشتہ ایک صدی کے دوران وسیع علمی تحقیقات سے حصہ وافر مل چکا ہے ۔ چنانچہ

علم تاریخ کے متوازی ایک نیا شعبہ "تاریخِ تاریخ نویسی" -HISTO RIOGRAPHY قائم ہو چکا ہے۔ اسی شعبہ ہسٹاریوگرافی کے تحت منجملہ دوسرے مصنفین کے متعدد جرمن اور امریکن و برطانوی مصنفین تاریخ اسلام کے تاریخِ تاریخ نویسی در اسلام نیز ہندوستان میں تاریخ اسلام کے ماخذ پر مسلم تاریخ نویسی کے نقطہ نظر سے بلند پایہ تنقیدی مقالہ جات لکھ چکے ہیں جن میں لندن یونیورسٹی کے "سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز" سے ڈاکٹریٹ کے لئے منظور شدہ مقالہ از ڈاکٹر ہارڈی[1] بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اسی طرح مذکورہ یونیورسٹی کے اسی سکول کے زیر اہتمام منعقدہ ایک کانفرنس میں پڑھے گئے مضامین بھی اب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں[2]۔ ان مضامین میں بالخصوص اسلام پر قرونِ وسطی اور موجودہ زمانے میں لکھی گئی کتب کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اور یہ امید کی جاتی ہے کہ ان کتب کی اشاعت

---

1 HISTORIANS OF MEDIEVAL INDIA – BY P. HARDY, LUZAC, LONDON 1960

2 HISTORIANS OF INDIA, PAKISTAN AND CEYLON, LONDON – 1958

کے بعد اسلام پر لکھی جانے والی کتب کو مغربی مصنفین ایک نئے زاویہ نگاہ نیز انصاف پسندی کو مدنظر رکھ کر لکھا کریں گے۔

راقم الحروف کی نظر سے اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جس میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ لکھتے ہوئے مذکورہ بالا قیمتی مقالہ جات کو مدنظر رکھ کر معیاری تاریخ لکھی گئی ہو[1]۔ لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ اس پہلو سے بھی صفحات آئندہ میں بیان کردہ تاریخی واقعات پر تنقید کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔

ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق خلیل
زیورک، سوئٹزرلینڈ

---

[1] "مسلم کمیونٹی آف انڈیا اینڈ پاکستان"، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تاریخ انگریزی زبان میں اور اسی طرح حال ہی میں شائع ہونے والی دو تین انگریزی کتب اس ریمارک سے مستثنیٰ ہیں تاہم ان کتب میں بھی مذکورہ بالا تحقیق مقالہ جات کو ہماری رائے میں پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دسویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک ہندوستان میں جو مسلمان سلاطین تختِ حکومت پر متمکن رہے ان کے متعلق بعض انگریز مؤرخین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنی ہندو رعایا کو بالجبر مسلمان کیا۔ اس ضمن میں ۱۰۰۰ء میں "بلند شہر" کے معزز رئیس ہردتہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ ذیل کی سطور میں اسپر تحقیق کی گئی ہے۔

مشہور انگریز مستشرق سر تھامس آرنلڈ کے خیال میں محمد بن قاسم اور محمود غزنوی اسلام کے اس حکم کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کسی جگہ یا گروہ پر حملہ سے پیشتر انکو اسلام کی دعوت دیتے اور اسطرح کئی لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے۔

ہمیں سر آرنلڈ کی اس رائے سے اور جو نتیجہ انہوں نے نکالا ہے اس سے اختلاف ہے۔ کیونکہ ایک اور جگہ سر آرنلڈ خود لکھتے ہیں:۔

"محمد بن قاسم نے کئی ہندو راجاؤں کو قبولیت اسلام کی دعوت دی"[1]

لیکن نہ کسی تاریخی ماخذ سے نہ خود آرنلڈ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبولیت اسلام

ا۔ آرنلڈ صفحہ ۲۵۶۔ اس کے برعکس کوفی کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم کے ذریعہ ان راجاؤں نے جنگ کی دھمکی کے بغیر از خود بعداز دعوت مسلمان ہونا قبول کر لیا۔ صفحہ ۲۰۹

کی دعوت کے ساتھ محمد بن قاسم نے کسی کو جنگ یا موت کی دھمکی دی ہو۔

مسٹر آرنلڈ کو اپنے اس مفروضہ کا اور تو کوئی ثبوت نہ مل سکا اس پر انہوں نے عطبی کی تاریخ الیمینی سے حسب ذیل واقعہ پیش کر کے اپنے غلط مفروضہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ۱۰۰۰ء کے لگ بھگ ہردتہ کی مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم جو محمود غزنوی اور ہردتہ سے کئی سو سال قبل آیا سندھ کے راجاؤں کو دھمکی دے کر مسلمان کرتا تھا۔

ہردتہ کے قبولِ اسلام کی حقیقت

بلندشہر کے رئیس ہردتہ کا واقعہ العطبی نے تاریخ الیمینی میں نقل کیا ہے۔ عطبی کا بیان مبہم اور عمیق عربی عبارت میں لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات جانتے ہیں عطبی کا مقصد صرف تاریخ لکھنا ہی نہیں تھا بلکہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں قافیہ ملنے والی مرصع عبارت لکھنا تھا چنانچہ عطبی ہردتہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

فجاء بعشرة ألاف منادين بدعوة الاسلام متضادين بعبادة الاصنام

فحقق اللّٰہ میعادہٗ ۔ ص۱

کہ ہردتہ دس دس ہزار آدمیوں سمیت صلح کے نعرے لگاتا ہوا (یعنی دعوتِ اسلام کی منادی کرتا ہوا) اور عبادت اصنام کی مخالفت کرتا ہوا آگیا ۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور محمود غزنوی کو بغیر لڑائی کے فتح ہوئی ۔

اب ظاہر ہے کہ یہ ایک مبہم عبارت ہے ۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سلطان محمود نے ہردتہ کو قبولیت اسلام کا اعلان نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی یا نہیں — ! بلکہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہردتہ کے دس ہزار آدمیوں نے فی الواقعہ اسلام قبول بھی کیا ، کیونکہ عطبی نے صرف یہ لکھا ہے کہ ہردتہ کے لوگوں نے ندائے اسلام کے نعرے لگا دیئے اور عبادتِ اصنام کی خلاف ورزی کی ۔

اب جیسا کہ عربی داں حضرات جانتے ہیں اسلام کے معنے صلح کرنے یا اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے سپرد کرنے یا سر تسلیم خم کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں ۔ ممکن ہے بلند شہر کے لوگ پہلے ہی ہندو مت سے بیزار ہوں یا کبھی ہندو مت قبول ہی نہ کیا ہو ۔ اور انہوں نے محمود غزنوی سے مصالحت کی غرض سے مبہم رنگ میں صلح یا اسلام کی عظمت کا اقرار

ص۱ ۔ یہ عربی عبارت ہم نے عطبی کے لاہور ایڈیشن سے لی ہے ۔

کر لیا ہو۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر دتہ کے آدمیوں کو محمود غزنوی نے بہ نوک شمشیر مسلمان کیا اور نہ ہی اس واقعہ سے ایسا عمومی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے جو محمد بن قاسم پر چسپاں ہو سکے۔

آرنلڈ کے غلط نتیجہ کی وجہ

یہ حقیقت تو ہر ایک تاریخ دان کو معلوم ہے کہ سر آرنلڈ نے اپنی کتاب کی تدوین میں کہیں بھی اصل عربی یا فارسی ماخذ کا مطالعہ پیش نظر نہیں رکھا بلکہ (ELLIOT & DOWSON) سے لئے ہوئے انگریزی ترجمہ پر انحصار کیا ہے۔ یہ ترجمہ حسب ذیل ہے :-

"وہ دس ہزار آدمیوں کے ساتھ آیا جن سب نے قبولیت دعوت اسلام اور انکار بتاں کا واشگاف اعلان کیا۔"

اب دیکھیں کہ دعوۃ الاسلام کا ترجمہ یہاں (ANXIETY FOR CONVERSION) کیا ہے جو کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی طرف دعوت کے نعرے لگائے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ عطبی محمود غزنوی کا درباری اور اس کا سیکرٹری تھا اس لئے اس کا بیان غلط نہیں ہو سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ عطبی کا بیان

ELLIOT VOL ii P-42 IN PI 257

درست سہی لیکن اگر محمود غزنوی اس بات کا قائل ہوتا کہ ہر حملے سے قبل لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا اور اگر وہ اسلام قبول نہ کرتے تو جنگ شروع کر دیتا تو سوال یہ ہے کہ اس نے کسی اور موقعہ پر کیوں عہد بنہ کے مزعومہ واقعہ کی طرح لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی۔ یہ حقیقت تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ محمود نے کم از کم ستر۱۷ہ بار ہندستان پر سیاسی حملے کئے۔ اگر غلطی ہر حملہ میں اس کے ساتھ ساتھ تھا تو وہ کسی اور موقعہ پر بھی لوگوں کو بالجبر اسلام قبول کروانے کی تفاصیل ضرور درج کرتا۔ سر آرنلڈ کا ایک جزئی واقعہ اور وہ بھی مبہم عبارت لے کر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ محمود غزنوی نے ہندوستان کے باشندوں کو مسلمان کرنے کیلئے جنگیں لڑیں اور بعض لوگ مسلمان ہو گئے کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس سے انگریز تاریخ نویسوں کی متعصبانہ رائے اور جانبداری پر ضرور روشنی پڑتی ہے۔

آرنلڈ کی طرف سے تردید

بہر ونہ کے دس ہزار لوگوں کے مسلمان ہونے کے واقعہ کی تردید خود آرنلڈ کے مابعد بیان سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں:-

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلام قبول کرنے والے لوگ غالباً محمود غزنوی کی واپسی پر اولین موقعہ ملتے ہی مرتد

ہو گئے کیونکہ غوری تاریخ کے دور میں اس علاقہ میں
مسلمانوں کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔"

آرنلڈ نے مبہم عبارت کا غلط ترجمہ کر کے پھر غلط نتیجہ نکالا ہے کہ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ کرنے سے قبل لوگوں کو قبولیت اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ بلند شہر کے علاقہ میں محمود غزنوی کے جانے کے کئی صدیاں بعد بلکہ بیسویں صدی میں بھی ہندوؤں کی اکثریت آباد تھی۔ لہٰذا وہاں کے لوگوں کو بالجبر مسلمان کرنے کی روایت یا تو مبہم ہے یا غلط اور ناقابل اعتماد۔

غلط ترجمہ کی ایک اور مثال

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اسلام، تسلیم اور مسلم کے الفاظ ذو معنین ہیں، یعنی ان سے مراد یا تو مذہب اسلام قبول کرنا ہو سکتا ہے یا سر تسلیم خم کرنا، اور ترجمہ کرنیوالے کیلئے ضروری ہے کہ عبارت کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کے ترجمہ کرے۔ "مسلم شدن" کا لفظ کئی انگریزی مترجمین کے لیے غلطی کا باعث ہوا ہے چنانچہ راورٹی (RAVERTY) جو فارسی سے انگریزی ترجمہ کرنے کے ماہر خیال کیے جاتے ہیں ایسے ہی ایک موقعہ پر غلطی کا شکار ہو گئے اور "ذکر مسلم شدن ہندوستان غوریاں را" کے فقرہ کا ترجمہ کرتے ہوئے بجائے سیدھا سادہ ترجمہ کرنے کے کہ "ہندوستان کے غوریوں کے تحت مسلط ہونے کا ذکر" عبارت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ "غوریوں کے تحت ہندوستان کے مسلمان ہونے کا ذکر۔"

۱۱۹۶ء میں کول اور کالنجر کے باشندوں کے قبولیت اسلام کی حقیقت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انیسویں صدی کے کئی انگریز مؤرخین اس مفروضہ اور متعصبانہ رائے کا شکار ہو چکے تھے کہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان کے باشندوں کو بہ نوک شمشیر مسلمان کیا (آرنلڈ، پریچنگ آف اسلام، صـ ۲۵۰) ۔ چنانچہ اسی مفروضہ کو ذہن میں رکھ کر انہوں نے کئی عبارتوں کا ترجمہ اس طرح پیش کیا کہ گویا لوگوں کو بہ نوک شمشیر اسلام

لـه ملاحظہ ہو تاج المآثر پر لندن یونیورسٹی میں ۱۹۳۰ء کا لکھا ہوا مقالہ از عندلیب شادانی ۔

MUSLIM HISTORIANS OF INDIA - LONDON (UNPUBLISHED THESIS)

مسلم ہسٹوریز آف انڈیا لندن، غیر شائع شدہ مقالہ ۔

قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ ایسا ہی ایک واقعہ کول اور کالنجر کے قلعہ کے بارے میں غلط ترجمہ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ غلط ترجمہ بھی اوپر مذکورہ تراجم کی طرح "ایلیٹ اور ڈاسن" کے ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ اصل فارسی عبارت نظامی کی تاریخ تاج المآثر میں ہے جو درج ذیل ہے :-

"آنانکہ بہ دہائے عقل موسوم بودند بہ ساحل ہدایت آوردند" صا

یعنی کول اور کالنجر کے قلعہ کے لوگ جو عقلمند تھے وہ ساحل ہدایت پر آگئے۔

اب اس ذو معنی عبارت کا ترجمہ انگریز مصنفین نے یوں کیا ہے :-

"قلعہ کے لوگ جو عقلمند تھے مسلمان بنا لئے گئے"

یاد رہے کہ نظامی بھی نہایت پیچیدہ اور مرصّع فارسی عبارت لکھنے والے مؤرخین میں سے ہے۔ جس طرح عطبی عربی کی ادق عبارتیں لکھنے میں ضرب المثل ہے اور ایک قافیہ کی خاطر سارا مضمون قربان کر دیتا ہے بعینہٖ نظامی بھی تاج المآثر میں نہایت مشکل اور مبہم عبارتیں لکھتا ہے اور تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ نظامی کی روایت کے ہر لفظ کو تاریخی حقیقت خیال کرنا غلطی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مذکورہ عبارت سے یہ نتیجہ لازمی طور

صا یہ اصل عبارت ہم نے تاج المآثر کے اس خطی نسخہ سے لی ہے جو جرمنی کی لائبریری گوتھا میں موجود ہے۔

پر نہیں نکالا جا سکتا کہ کول اور کالنجر میں حملہ کر کے لوگوں کو بالجبر مسلمان بنایا گیا۔ لہٰذا اگر نظامی نے یہ لکھ دیا کہ قلعہ کے لوگ ساحل ہدایت پر آگئے تو اس سے یہ مطلب نکالنا ضروری نہیں کہ وہ مسلمان بھی ہو گئے ہوں۔ بسا ممکن کہ نظامی کے خیال میں ساحل ہدایت سے مراد قلعہ کے دروازے کھول دینا یا سر تسلیم خم کر دینا ہی ہو۔

پس نظامی کی عبارت کا ترجمہ جو انگریز مصنفین کی طرف سے ہندوستان میں غوریوں کے دَور میں بالجبر قبولیتِ اسلام کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ایک مبہم عبارت پر مبنی ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہندوستان میں لوگوں کو بہ نوک شمشیر مسلمان کیا گیا تاریخی حقائق سے مسخرہ پن کے مترادف ہے۔

انگریز مورخین نے اس عبارت کو تاریخ فرشتہ کی عبارت سے ملا کر جو غلط ترجمہ پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"قطب الدین ایبک نے ۱۱۹۲ میں دہلی کو اپنا دار السلطنت بنا کر دہلی کے ارد گرد تمام علاقوں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔"

یاد رہے کہ تاریخ فرشتہ اصل واقعہ کے پانچ سو سال بعد لکھی گئی اور اگر فرشتہ نے نظامی کی عبارت کی غلط تفسیر کی ہو تو جبھی ممکن ہے، بہرحال قابل اعتماد نظامی کی عبارت ہی ہے۔

بنگال میں لوگوں کو پندرھویں صدی کے ابتداء میں بالجبر مسلمان کرنے کا الزام

بنگال کے ایک مسلمان سلطان جلال الدین تھے جو ایک ہندو بادشاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۴۱۵ء سے ۱۴۳۱ء تک بنگال میں حکومت کی۔ ہمارے معاصر مؤرخین بالخصوص مغربی مؤرخین نے اس دَور کو بنگال میں بالجبر قبولیت اِسلام کے دَور کا نام دے کر خصوصیت سے اچھالا ہے لیکن تاریخی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان جلال الدین پر لوگوں کو بالجبر مسلمان کرنے کے الزام کو ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں دی جا سکتی۔

معترضین کی فہرست!

سلطان جلال الدین پر بنگال کے لوگوں کو بالجبر مسلمان کرنے کا الزام لگانے والوں کی درج ذیل فہرست سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس الزام کو گذشتہ ایک صدی میں کس قدر وقعت حاصل ہو چکی ہے۔

۱۸۹۶ء میں سر تھامس آرنلڈ نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۷۸ پر لکھا :-

"ایک روایت کے مطابق جلال الدین کے عہد حکومت میں کئی لوگوں کو بالجبر مسلمان بنایا گیا"۔

سر آرنلڈ کی اقتدا میں آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا[۱]، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا[۲]، جرمن پروفیسر شولر کی کتاب[۳] اور ہند و پاکستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب[۴] میں بھی اسی اعتراض کو دہرایا گیا ہے کہ سلطان جلال الدین کے زمانہ میں کئی ہندوؤں کو بنگال میں بالجبر مسلمان کیا گیا۔

معترضین کی اس فہرست سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اِن مؤرخین نے جلال الدین کے متعلق آرنلڈ سے یا دوسرے انگریز مؤرخین سے

---

[۱] اسمتھ، آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا ۱۹۱۶ء، نظر ثانی ۱۹۶۲ء

[۲] سر ڈبلیو ہیگ، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۱۹۲۸ء، صفحہ ۲۶۷

[۳] ہینڈ بر ڈیر اورینٹلسٹک، لیڈن ۱۹۶۰ء

[۴] مسلم کمیونٹیز آف انڈیا اینڈ پاکستان۔
از اشتیاق حسین قریشی، مطبوعہ ہالینڈ۔

سُنی سنائی روایات کو بے جا طور پر اپنا لیا ہے اور یہ کہ اس بارہ میں ابھی تک کوئی ریسرچ نہیں ہوئی کہ جلال الدین کے ہندوؤں کو بالجبر مسلمان کرنے کی حقیقت کیا ہے !

سلطان جلال الدین پر الزام کی تاریخی تحقیق !

کسی واقعہ کی تاریخی صحت معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس واقعہ کی کسی معاصر یا لگ بھگ کے زمانہ کے کسی تاریخی ماخذ سے تصدیق ہو سکے۔ سلطان جلال الدین کے بارے میں اس الزام کی تصدیق کسی معتبر تاریخی ماخذ سے نہیں ہوتی۔ جلال الدین کے زمانہ میں ہی ایک برہمن "ریامکتا برہسپتی"[۱] نے جو سلطان کا درباری شاعر بھی تھا، اس نے سنسکرت میں ایک کتاب لکھی جو "سمرتی رت نہارا"[۲] کے نام سے مدون کی گئی اور جو خوش قسمتی سے اب تک موجود ہے۔ اگر سلطان جلال الدین نے برہمنوں یا ہندؤں کو بالجبر مسلمان کیا ہوتا تو یہ برہمن کسی نہ کسی رنگ میں اِس واقعہ کا ضرور ذکر کرتا۔ لیکن اس کے برعکس وہ لکھتا ہے :-

---

۱۔ RAYAMUKTA BRIHISPATI

۲۔ SIMIRTI RATNAHARA

"سلطان جلال الدین نے برہمنوں کے افلاس اور تنگی کو دُور کیا اور انہیں سونے کا گھوڑا، رتھ اور کئی انعامات دیئے۔"[1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جلال الدین نے ہندوؤں کو مسلمانوں کی طرح سمجھا اور انہیں بالجبر اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں کیا۔

بھارت کے عظیم مؤرخ "مجودر" (MAJMUDAR) نے اپنی کتاب "ہسٹری آف بنگال" میں اسی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اِس امر کا ذکر نہیں کیا کہ ہندوؤں کو سلطان نے بالجبر اسلام قبول کروایا تھا۔

سولھویں اور سترھویں صدی کے فارسی زبان میں حسب ذیل تاریخی ماخذ میں سلطان جلال الدین کا ذکر ملتا ہے اور حیرت ہے کہ ان مؤرخین نے بھی سلطان کے بالجبر مسلمان کرنے کے متعلق ایک حرف تک نہیں لکھا:-

۱۔ ابوالفضل کی تصانیف آئینِ اکبری وغیرہ۔

۲۔ بخشی کی تصنیف طبقات اکبری

۳۔ تاریخ فرشتہ

تاریخ فرشتہ میں بالجبر قبولیت اسلام کا ذکر بالکل موجود نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ لکھتا ہے کہ سلطان جلال نہایت انصاف پسند اور

۱۔ بحوالہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ۱۹۵۲، صفحہ ۱۶

اپنے زمانہ کا نوشیرواں تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس الزام کا موجد کون ہے اور کس نے اس فرضی واقعہ کو ہوا دی ؟

ہماری رائے میں اس افسانہ کو ہوا دینے کی ذمہ داری اٹھارویں اور انیسویں صدی کے برطانوی سامراجیوں پر پڑتی ہے جو اس زمانہ میں "امپیریل گیزٹیر آف انڈیا" وغیرہ میں اشاعت کے لئے تاریخی اور سماجی معلومات اکٹھی کر رہے تھے۔ یہ انگریز مصنفین جو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بنگال آئے ان کے دل مسلمانوں کے خلاف بالعموم بغض و عناد سے بھرے ہوئے تھے۔ ان میں اکثر علمِ تاریخ سے زیادہ واقفیت نہ رکھتے تھے اور سرکاری افسروں کی حیثیت سے برطانیہ کی طرف سے برطانوی مفاد اور عزائم کی سرپرستی کے لئے ہندوستان آتے تھے۔ ان کے پیشِ نظر یہ مقصد تھا کہ ہندوستان اور بالخصوص بنگال کے مسلمانوں کو مسیحیت کا بپتسمہ دیا جائے تا اس طرح ایک طرف ہندوستان میں اسلامی حکومت کی تاریخ کو بدنام کر کے مسلمانوں کو پست ہمت کیا جائے اور ہندوؤں کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں اور دوسری طرف سے برطانوی نوآبادیاتی اور سامراجی حکومت کے لئے ہندوستان میں جگہ ہموار

---

۱ ہسٹری آف انڈیا، پاکستان، سیلون ۔ از پروفیسر ہارڈی

ہموار کر دی جائے۔

سلطان جلال الدین پر بالجبر مسلمان کرنے کا الزام جارج اوڈنی (GEORGE UDNI) اور ان کے ساتھیوں نے ایجاد کیا جو مالدہ میں برٹش کمرشل ریذیڈنٹ تھا۔[1] اس نے بظاہر بنگال کی فارسی تاریخ کی تدوین کا مقصد پیش نظر رکھ کر بنگال کے ایک مسلمان غلام حسین سلیم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ریاض السلاطین کے نام سے بنگال کی تاریخ فارسی زبان میں لکھے۔ چنانچہ غلام حسین سلیم نے آئین اکبری، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ نیز بعض سنے سنائے واقعات پر اپنی تاریخ دانی کا مدار رکھتے ہوئے تاریخی واقعات کو مدون کیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے آئین اکبری، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں کہیں بھی سلطان جلال الدین کے لوگوں کو بالجبر مسلمان کرنے کا ذکر نہیں ملتا اور یہ الزام یا تو غلام حسین سلیم نے کم فہمی سے از خود یا قرین قیاس ہے کہ انگریز سامراجی افسروں نے ریاض السلاطین میں لکھوا دیا کہ سلطان جلال نے ہندوؤں پر جبر کر کے ان کو مسلمان کیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ سلطان جلال پر لوگوں کو بالجبر مسلمان کرنے کا ذکر ۱۷۸۶ء کی ریاض السلاطین سے قبل کسی تاریخی

---

[1] ملاحظہ ہو پیش لفظ ریاض السلاطین ۱۷۸۶ء

ماخذ سے نہیں ملتا اور اگر غلام حسین کی طرف منسوب کردہ ریاض السلاطین میں مذکورہ الزام کو روایت اور درایت کے اصول پر پرکھا جائے تو اسے حقیقت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

غلط روایت پر مزید تنقید !

انگریز افسروں نے اس روایت کو غنیمت سمجھا اور جارج اودنی کے نقشِ قدم پر "جیمز وائز ہملٹن" نے بھی ۱۸۷۲ء میں جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ایک مضمون لکھ کر اس بات کو اور بھی اشاعت دی کہ سلطان جلال نے بنگال کے لوگوں کو بالجبر مسلمان کیا تھا اور سر آرنلڈ نے جیمز وائز کا حوالہ دے کر پریچنگ آف اسلام میں اس افسانہ کو جگہ دے دی کہ بنگال کے لوگ بکثرت جبراً مسلمان کئے گئے تھے۔

ان تمام انگریز مصنفین نے باشعور یا بلاشعور برطانوی مفادات کی حفاظت کے پیش نظر خود یہ واقعہ بنایا اور اس کو شہرت دی۔ تاریخی ماخذ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ خود اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بھی بنگال کے بے شمار باشندے آغوشِ اسلام میں آئے جیسا کہ آگے اعداد و شمار سے ثابت کیا جائے گا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۱۷۸۰ء میں لکھی گئی ریاض السلاطین سے قبل کسی فارسی

یا سنسکرت تاریخی ماخذ میں اس امر کا ذکر نہیں کہ سلطان جلال نے ہندوؤں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا۔

درایت کے معیار پر تنقید!

روایتی تنقید کے ساتھ ساتھ درایتی معیار پر بھی اگر دیکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ سلطان جلال الدین پر مذکورہ الزام درست نہیں ہو سکتا۔ ہماری تحقیق کے مطابق بنگال کے مسلمانوں کی اکثریت اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اسلام کی آغوش میں داخل ہوئی اور ممکن ہے کہ قبولیت اسلام کی اس رَو کو روکنے کے لئے بھی انگریزوں نے اٹھارویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی خاطر سلطان جلال الدین پر اس الزام کو تراشا ہو جبکہ اٹھارویں صدی کے ابتدا میں بنگال کے مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک سے زیادہ نہ تھی۔

چنانچہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مطبوعہ ۱۸۷۲ء کا حوالہ ملاحظہ ہو:۔

> "اٹھارویں صدی کے ابتدا میں بنگال میں مسلمانوں کی تعداد ایک فی صد سے زائد نہ تھی۔"

مزید برآں اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں

صدی میں بنگال کے باشندے سیاسی دباؤ سے قطع نظر محض روحانی اور معاشرتی اثرات کے ماتحت کثیر تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا رسالہ کا ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو :۔

"وائن نے ۱۸۷۲ء میں یہ خیال پیش کیا کہ اسلام کی اعلیٰ تعلیمات بہ مقابلہ برہمن ازم ایک بڑی وجہ تھیں جس کی بنا پر انیسویں صدی میں اکثر لوگ مسلمان ہو گئے"۔

ہنٹر (HUNTER) نے اپنی کتاب "دی انڈین مسلمانز" میں ۱۸۶۰ء کے چشم دید گواہوں کے بیان کردہ واقعات لکھے ہیں جس میں ذکر کیا ہے کہ کئی مسلمان وہابی واعظین (جو سید احمد شہید بریلوی کے مکتب خیال اور روحانی ورثہ سے تعلق رکھتے تھے، ناقل) گلی کوچوں اور مجمعوں میں تقاریر کر کے لوگوں کے گروہوں کو مسلمان کیا کرتے تھے —— اسی طرح انگلستان سے شائع ہونے والے "مشنری ریویو" ۱۹۰۰ء صہ۲ پر درج شدہ حسب ذیل واقعہ بھی قابل غور ہے :۔

"۱۹۰۰ء میں چھ صد ہندو ایک ہی روز میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، کیونکہ وہ نیچی ذات سے تعلق رکھتے تھے اور اعلیٰ ذات والے ہندو ان سے برا سلوک کرتے تھے"۔

۱۹۰۱ء میں مطبوعہ "امپیریل گزیٹیر آف انڈیا" کی حسب ذیل شہادت بھی

اس امر کی تائید کرتی ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بنگال میں لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے تھے :-

"مسلمانوں کی تعداد میں گذشتہ سال کی نسبت سے آٹھ سے گیارہ فی صد اضافہ ہوا ہے اور ۵/۱ ۲ پانچ لاکھ کا اضافہ مشرقی بنگال میں ہوا ہے۔ مسلمان جن کی اکثریت شہروں میں رہتی ہے ان کی غذا بہتر ہے اور قحط و عوارض سے دوچار نہیں ہوئے بہ نسبت ان ہندؤں کے جو اکثر بے زمین محنت کش ہیں۔"

ایک اور بنگالی مصنف کی درج ذیل شہادت بھی قابل غور ہے :-

"اسلام کا براہ راست ٹکراؤ ہندومت سے اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں بنگال میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے پچیس ملین یعنی تقریباً کل بنگال کی آبادی میں سے پچپن فی صد مسلمان تھی۔"

(ڈی۔ اے چوہدری، "مسلم ورلڈ" ۱۹۲۸ء، صـ ۱۴۷)

۱۹۰۱ء میں شائع شدہ مردم شماری کی رپورٹ سے بھی ہماری مذکورہ بالا رائے کی تائید ہوتی ہے :-

"یہ امر پایۂ تصدیق کو پہنچ چکا ہے کہ ۱۸۷۲ء سے لیکر

اب تک ایک ہزار افراد میں سے ۱۰۰ افراد شمالی بنگال، ۲۶۲ افراد مشرقی بنگال اور ۱۱۰ مغربی بنگال میں سے مسلمان ہو چکے ہیں"۔

"انیس سال قبل بنگال میں خاص ہندوؤں کی تعداد قریب پانچ لاکھ مسلمانوں سے زیادہ تھی لیکن بیس سال سے بھی کم عرصہ میں مسلمان نہ صرف ہندوؤں کی آبادی پر سبقت لے گئے بلکہ پندرہ لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں" (ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ، مطبوعہ ۱۸۹۱، جلد III اور V)

ان تمام حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ انیسویں صدی میں بنگال میں مسلمانوں کی تعداد مسلسل ترقی پذیر تھی۔

سلطان جلال کے متعلق مزعومہ روایت کا اصل متن:-

اب دیکھیں کہ اصل فارسی متن میں بھی سلطان جلال کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے ہندوؤں کو مسلمان کیا اور زنار داروں کو عنف و زجر سے گائے کا گوشت کھلایا، یہ نہیں لکھا کہ عنف و زجر سے مسلمان کیا، ملاحظہ ہو ریاض السلاطین فارسی عبارت کا اصل متن:-

"بعد ازاں جلال الدین باستقلال تمام بر تخت سلطنت جلوس نمود۔ اکثر کافراں را علی الرغم پدر مسلمان نمود و زنار داراں را، کہ گاہ طلا خورد بودند بعنف و زجر تمام گوشت گاو خورانید ... وحضرت شیخ زاہد را از سنار گام طلبیدہ در اعزاز و احترام کوشید و خدمت ہا نمود و زمان سلطنت او مردم بر خاہیت و آسودگی تمام می گذرانیدند و مجددًا ابتدائے آبادی محمود در وقت او بود۔"

اب اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارت جارج اڈنی یا غلام حسین سلیم نے از خود درج نہیں کی اور یہ کہ یہ روایت درست ہے تو بھی روایت کے اصل الفاظ سے یہ نتیجہ صرف کھینچ تان کر ہی نکالا جا سکتا ہے کہ سلطان جلال نے بزور شمشیر ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ اصل عبارت میں صرف یہ لکھا ہے کہ سلطان نے کافروں کو مسلمان کیا اور زنار داروں کو عنف و زجر سے گائے کا گوشت کھلایا۔ اب ظاہر ہے کہ جو مسلمان ہوئے انکے متعلق تو یہ لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو عنف و زجر سے گائے کا گوشت کھلایا۔ گائے کا گوشت تو انہیں کھلایا گیا ہوگا جو مسلمان نہیں ہوئے اور جو گاو طلا کھا کر غرفہ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔"

اگر اس حوالہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا

کہ سلطان جلال کو سنّار کے حضرت شیخ زاہد سے عقیدت تھی اور ممکن ہے کہ اس عقیدت کی بنا پر ہی وہ خود مسلمان ہوا اور اس عقیدت کی بنا پر دوسرے لوگ بھی مسلمان ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں اصل عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان جلال کے ماتحت سب لوگ (یہ نہیں کہ صرف مسلمان) رفاہیت و آسودگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لہٰذا عبارت مذکورہ سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ سلطان جلال الدین نے ہی لوگوں کو بنگال میں بالجبر مسلمان کیا تھا۔

بنگال کے باشندوں کے بکثرت مسلمان ہونے کی ایک وجہ!

ہماری رائے میں بنگال کے باشندوں کے بکثرت مسلمان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بنگال اور بہار بدھ مت کے مراکز تھے اور قرون وسطیٰ میں لیعنی ... ارکے لگ بھگ بدھ مت ان علاقوں میں ہندومت کی جگہ لے رہا تھا۔ گویا قرون وسطےٰ میں ہندو مذہب کو بنگال میں پوری طرح پاؤں جمانے کا موقعہ نہیں ملا تھا کہ مسلمانوں نے بنگال میں آکر آباد ہونا شروع کر دیا اور بعد میں سیاسی طور پر بھی غالب آگئے۔ پس چونکہ بنگال کے اکثر لوگ بدھ مت اور ہندومت کے درمیان کسی مذہب سے پوری طرح وابستہ نہیں ہونے پائے تھے ان کے لئے اسلام قبول کرنا زیادہ مشکل قرار نہیں پایا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس سلسلہ میں اپنی کتاب میں سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا

سندھ میں ہندو مت اور بدھ مت کی کشمکش سے اشاعتِ اسلام کو فائدہ پہنچا۔ ہماری رائے ہے کہ ہاں ضرور پہنچا۔ اور یہ فائدہ بالخصوص کشمیر اور بنگال کے بدھوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا۔

بنگال کے مسلمانوں کے متعلق ایک ضمنی بحث!

بنگال کے ایک رئیس گھرانہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان فضل ربیؔ جو بعد میں خان بہادر فضل ربیؔ (پیدائش ۱۸۴۸) کہلائے انہوں نے ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ ایک کتابچہ "حقیقت مسلمانان بنگال" کے نام سے اردو یا فارسی زبان میں لکھا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بنگالی مسلمان ہندؤں کی نیچ ذات سے مسلمان ہونے والا گروہ نہیں بلکہ رؤسا کی جماعت سے تعلق رکھنے والا گروہ ہے جو قرونِ وسطےٰ میں باہر سے آکر بنگال میں آباد ہوئے۔

ہمیں فضل ربی کے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ بنگال کے مسلمانوں

افسوس کہ فضل ربیؔ کا اصل کتابچہ ہمیں نہیں مل سکا بلکہ ہم "سٹوری" وغیرہ دوسرے مصنفین کی کتب سے اس کے اقتباسات پر انحصار کرکے انکے خیالات کی تردید کر رہے ہیں۔

کی اکثریت باہر سے آنے والے نو آباد مسلمان رؤسا کی اولاد سے تعلق رکھتی تھی۔ بلکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بنگال کے اصل باشندے انیسویں اور بیسویں صدی میں بکثرت آغوشِ اسلام میں داخل ہوئے اور فضل ربی کا بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں یہ سوال بہت اہم حیثیت اختیار کر گیا تھا کہ بنگالی مسلمان باہر سے آکر آباد ہونے والے رؤسا کی نسل ہیں یا کہ بنگال کے اصل باشندے ہیں۔

فضل ربی نے اس غرض سے مقدم الذکر رائے کی تائید ہو گی کیونکہ وہ خود مرشد آباد کے "خوندکار" مسلمان رؤسا کی اولاد سے تعلق رکھتا تھا۔ نیز ۱۷۷۵ء کے لگ بھگ یہ سوال بھی اہم حیثیت اختیار کر گیا تھا کہ نواب ناظم کا لقب کسی مسلمان کو دیا جائے یا نہیں ——— ؟ چنانچہ منصور علی خاں کے استعفیٰ کے ساتھ یہ لقب انگریز حکومت نے ۱۸۸۰ء میں ختم کر دیا۔ یاد رہے کہ خان بہادر فضل ربی ۱۷۷۰ء سے ۱۷۷۴ء تک ولایت میں نواب ناظم کے سیکرٹری کے طور پر "ہاؤس آف کامنز" کے سامنے بنگال کے رؤسا کی شکایات پیش کرنے اور ان کے ازالہ میں مصروف رہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی کسی سماجی یا سیاسی مصلحت کی وجہ سے یہ تھیوری پیش کی ہو گی کہ بنگال کے

مسلمانوں کی اکثریت باہر سے آکر آباد ہونے والے روٴسا کی اولاد سے تعلق رکھتی ہے۔ ورنہ اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جیساکہ اوپر لکھا جاچکا ہے عین اسی زمانہ میں جبکہ فضل ربی نے یہ کتابچہ لکھا اس وقت اوراس کے بعد بیسویں صدی کے شروع میں بھی ہزاروں لاکھوں بنگال کے باشندے مسلمان ہورہے تھے۔

فیروز تغلق پر جزیہ کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرنے کا الزام

سلطان فیروز تغلق پر تقریباً سبھی مصنفین نے ایک مشتبہہ تاریخی روایت پر بنیاد رکھتے ہوئے یہ الزام لگایا ہے کہ سلطان فیروز نے ہندوؤں پر جزیہ عائد کر کے انہیں مسلمان ہونے پر مجبور کیا۔ بالعموم سارے مؤرخین نے اصل حوالہ دیکھنے کی بجائے سوانح فیروز شاہی کے انگریزی ترجمہ "ہسٹری آف انڈیا بائی اِٹس اون ہسٹورین" از ایلیٹ و ڈاوسن سے لئے ہوئے اقتباس پر اندھا دھند اعتماد کرتے ہوئے حسب ذیل حصہ کو من و عن نقل کیا ہے :-

"میں نے اپنے عوام کو ترغیب دی کہ وہ پیغمبر (علیہ السلام) کا مذہب قبول کرلیں اور ساتھ ہی میں نے یہ اعلان بھی کیا کہ ہر اس شخص کو جو اپنے عقیدہ کو ترک کر کے مسلمان ہو جائے اسے جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جونہی اس اعلان کی اطلاع لوگوں کو وسیع پیمانہ پر ہوئی تو لاتعداد ہندوؤں نے

اپنے آپ کو پیش کر دیا اور یوں وہ حصارِ اسلام میں داخل ہو گئے۔"

(ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن، جلد ۳، صہ ۳۶)

آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا نے اس پیراگراف کو نقل کرتے ہوئے طنزاً "خرید کردہ قبولیت اسلام" یا رشوت کے ذریعہ مسلمان کرنے کا عنوان دیکر اِس سے حسبِ ذیل نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے :-

"اکثر موجودہ مسلمان آبادی کی اصلیت اسی قسم کی ہے۔ کئی اور بادشاہ بھی یوں رشوت دے کر لوگوں کو مسلمان کرتے رہے۔"

(آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ۱۹۶۲، صہ ۲۵)

اس اقتباس سے سب سے پہلے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریز مؤرخ جن کی لکھی ہوئی کتب تاریخ کئی ایڈیشنوں میں آج تک شائع ہو رہی ہیں ذراسی بات کا جھگڑا بنانے اور اسے انگریزی سامراجی مقاصد کی طرف کھینچ تان کر لانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا میں مسلمانوں کے بذریعہ تبلیغ و تحریص دوسروں کو مسلمان کرنے پر تو ایک لفظ لکھنا نہیں گوارا کیا گیا، لیکن مذکورہ بالا مشتبہ عبارت سے غلط نتیجہ نکال کر اسے انگریزی حکومت کی حق داری کے حق میں استعمال کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر دی گئی ہے۔

اب آئیے دیکھیں کہ روایت و درایت کے اصولوں کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیروز تغلق پر یہ الزام کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

فیروز تغلق کے متعلق اس عبارت کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ فیروز تغلق نے یہ خود لکھی اور یہ اس کی خود نوشتہ سوانح عمری میں ہے جو اس نے کتبوں پر لکھوا کر مینار پر آویزاں کرائی تھی۔ اس خود نوشتہ سوانح عمری (جس کے بارے میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ یہ خود نوشتہ نہیں تھی) کی اصل عبارت ۱۹۶۱ء میں شائع کی گئی تھی، اس سے قبل صرف ڈاؤسن کا انگریزی ترجمہ موجود تھا۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مطبوعہ ۱۹۴۱ء میں اصل عبارت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی ترجمہ میں جو لفظ آئی (I) یعنی مَیں (واحد متکلم) کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ غلط ہے اور اصل فارسی عبارت میں "ایم" یعنی جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یعنی یہ کہ "مَیں نے لوگوں پر جزیہ عائد کیا" کی بجائے "ہم نے جزیہ عائد کیا" پڑھا جائے گا، جس سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ عبارت فیروز تغلق کی خود نوشت نہیں ہے۔ چنانچہ مزعومہ خود نوشت فتوحات

نمبر ۱ این بی رائے، جرنل آف دی رائل سوسائٹی آف بنگال ۱۹۴۱ء، صفحہ ۶۱

فیروز شاہی کے دستیاب ہونے کے بعد ایک اور خطی نسخہ کتاب "سیرت فیروز شاہی" کے نام سے دستیاب ہوا ہے جس کا اصل نسخہ ہندوستان بانکی پور میں موجود ہے لیکن اسکی فوٹو کاپیاں انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں[1] فتوحات فیروز شاہی اور سیرت فیروز شاہی کے بارے میں ایک حد تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ فتوحات فیروز شاہی تو فیروز شاہ تغلق کی خود نوشت سوانح عمری ہے اور سیرت فیروز شاہی کسی نامعلوم مؤرخ کی کتاب ہے لیکن دونوں ماخذ کی عبارت ایک دوسرے سے بہت ہی ملتی جلتی ہے اور جبر کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرنے والی عبارت بھی دونوں ماخذ میں موجود ہے ۔ اس سے ایک مصنف این پی رلائے نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ دو الگ الگ ماخذ ہیں اور ایک کی دوسرے سے تصدیق ہوتی ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان دونوں کتابوں کے مصنف دو مختلف شخصیتیں ہیں تو ایک ماخذ کی عبارت دوسرے ماخذ میں حرف بحرف کیسے آگئی ۔

---

[1] انڈیا آفس لائبریری نے زیر نظر تحقیق میں امداد کی غرض سے لندن سے مذکورہ سیرت فیروز شاہی کا نسخہ خاکسار کو ہمبرگ کی یونیورسٹی کی معرفت بھجوایا جس کے لئے خاکسار ان کا نہایت ممنون ہے ۔

ہمارا نتیجہ! فتوحات فیروز شاہی اور سیرت فیروز شاہی کی عبارتوں میں کئی بار جو حرف بحرف تطابق آتا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ فتوحات فیروز شاہی سلطان فیروز کی خود نوشت سوانح عمری نہیں ہے اور اب تک انگریز اور ہمارے ہندوپاکستان کے مصنفین ڈاؤسن کے ترجمہ (میں نے اپنے عوام کو ترغیب دی) کو پڑھ کر واحد متکلم کے صیغہ سے جو نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ خود نوشت سوانح عمری ہے، میرے خیال میں غلط ہے، کیونکہ اصل عبارت میں "I" کی بجائے "WE" ہے اور ڈاؤسن کا ترجمہ غلط ہے۔ لہٰذا فتوحات فیروز شاہی سلطان کی خود نوشت سوانح نہیں بلکہ سیرت فیروز شاہی کا خلاصہ ہے جسے سلطان کے مصاحب علماء نے کتبوں پر نصب کرنے کی غرض سے سیرت فیروز شاہی سے خلاصۃً جمع کیا اور پھر اسے پتھروں پر لکھ کر مینار پر نصب کیا تھا

ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ سیرت فیروز شاہی کا اور فتوحات فیروز شاہی کا مصنف ایک ہی شخص ہے جس نے ان دونوں کتب میں بزعم خود سلطان کی تعریف میں یہ قلابے ملائے ہیں کہ دیکھو سلطان نے جزیہ لگا کر لوگوں کو مسلمان کیا۔ لیکن یہ تعریف حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ مبالغہ آمیز اور مصنف کی طرف سے اپنے معیار پر گھڑی ہوئی تعریف ہے۔ ایسی تعریفی روایات کو موجودہ ہسٹاریو گرافی کی ابحاث میں (MANAQIB

(REPORTS) میں رکھ کر تنقید کی گئی ہے اور بالخصوص ڈاکٹر ہارڈی نے ثابت کیا ہے کہ سلطان فیروز کے متعلق جو اس کے مصاحب علماء نے لکھا ہے وہ مبالغہ سے پُر ہیں۔ ان تمام روایات کو پروفیسر کالنگ وُڈ اور ڈاکٹر ہارڈی کے الفاظ میں "ٹیلرز ڈمی" قرار دینا چاہیئے کیونکہ جس طرح درزی ناپ لے کر کپڑا کاٹتا ہے اسی طرح ان مصنفین نے جو مناقب و فضائل سلاطین لکھتے تھے، پہلے سلطان کے فضائل و مناقب سوچے پھر وہ مناقب کسی سلطان پر ٹھونستے چلے گئے۔

روایت کے معیار پر ایک مزید تنقید

طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فیروز کے زمانہ میں لکھی گئی کسی اور تاریخ نے بھی جزیہ کے ذریعہ مزعومہ قبولیت اسلام کا ذکر کیا ہے اور اگر نہیں تو کیوں نہیں کیا؟

چنانچہ ایک اور تاریخ جو سلطان فیروز کے زمانہ میں سراج الدین عفیف نے ۱۳۸۰ء کے لگ بھگ سلطان کی مدح میں لکھی اس میں ہندوؤں کی قبولیت اسلام کا ذکر تک نہیں۔ سراج عفیف نے اپنی تاریخ

---

[1] اگرچہ سراج الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کا خطی نسخہ مکمل دستیاب

کو تاریخ فیروز شاہی کا نام دیا ہے اور اس میں سلطان کی مدح میں مناقب و فضائل بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ اگر سلطان فیروز نے جزیہ عائد کر کے لوگوں کو مسلمان کیا ہوتا تو سراج الدین عفیف ضرور سلطان کے اس منقب کا بھی ذکر کرتا ۔ لہٰذا ہمیں ڈاکٹر ہارڈی کی اس تحقیق سے پورا اتفاق ہے کہ عفیف نے سلطان کے جو مناقب لکھے ہیں (اور اسیطرح سیرت اور فتوحات میں جو مناقب لکھے گئے ہیں) وہ عفیف اور اس کے معاصر مناقب نویسوں کے ذہن کی پیداوار ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ حقائق ہوں ۔

ڈاکٹر ہارڈی کی ریسرچ سے اقتباس!	ڈاکٹر ہارڈی نے اپنے

بقیہ از صا۴۱

نہیں ہو سکتا ہے اور جس نسخہ سے یہ تاریخ شائع ہوئی ہے اس کے آخری تین چار صفحات ضائع ہو چکے ہیں لیکن خطی نسخہ میں کتاب کی فہرست مضامین جو خود عفیف نے ہی مکمل کی ہے وہ اس میں موجود ہے اور اس فہرست کو دیکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آخری تین چار صفحات جو خطی نسخہ سے ضائع ہو چکے ہیں کسی اور مضمون سے متعلق ہیں ، ان میں ہندوں کی قبولیت اسلام کے ذکر کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔

مقالہ میں ہندوستان میں تاریخ اسلام کے جن پانچ ماخذ پر تنقیدی تبصرہ کیا ہے ان میں سراج الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی بھی شامل ہے۔ اگرچہ انہوں نے سیرت فیروز شاہی اور فتوحات فیروز شاہی پر کوئی تنقید نہیں کی تاہم ان کے مضمون کے پس منظر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو تنقید انہوں نے تاریخ فیروز شاہی کے ناقابل اعتماد ہونے پر تحریر کی ہے وہی تنقید سیرت اور فتوحات فیروز شاہی پر بھی چسپاں ہوتی ہے۔ یہاں ہم ڈاکٹر ہارڈی کے مقالہ سے چند اصل اقتباسات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں:-

ہمیں ایک واضح حقیقت پر محنت کر کے مقالہ لکھنے کی وجہ سے معذرت کرنا پڑتی تاہم یہ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ کے ہندوستان کی قرون وسطےٰ کی تاریخ لکھنے والے لوگ ایسے مسائل میں جہاں دوطرفہ تاریخی شہادت ملتی ہو اس شہادت کو قبول کر لیتے ہیں جو زیادہ سہولت والی نظر آئے ...... عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں مذکورہ روایات اگرچہ وہ کس قدر بھی حقیقت پسند ہوں ہمیں سلطان فیروز کی ذہین تنقید کے معیار پر اترنے والی سیرت کا اندازہ نہیں دے سکتیں۔ اگرچہ

عفیف کی روایات کی تصدیق دوسرے تاریخی ماخذ سے بھی ہوتی ہے (مثلاً فتوحات فیروز شاہی اور سیرت فیروز شاہی) پھر بھی کسی تاریخ نویس نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ آیا عفیف کو یہ کتب دیکھنے کا موقعہ ملا یا نہیں۔ (پیشتر اس کے کہ اس نے اپنی تاریخ فیروز شاہی لکھی۔)

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں عفیف نے فیروز کا عہد حکومت "سنہری زمانہ" بنا کر پیش کیا ہے (اور پوری مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے) ہر کام جو سلطان نے کیا وہ اسے اسلامی تصوف کے معیار پر خیالی اور معیاری صفات پر کھینچ تان کر ملاتا چلا جاتا ہے۔

اس بارے میں ہماری رائے!

ہماری رائے میں ڈاکٹر ہارڈی کے سوال کا جواب یہ ہے کہ عفیف کو اپنی تاریخ فیروز شاہی لکھنے سے قبل فتوحات فیروز شاہی اور سیرت فیروز شاہی دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا تھا ورنہ وہ ان کتب میں مذکورہ روایات کو بھی معیاری خیال کرتے ہوئے کھینچ تان کر فیروز پر چسپاں کر دیتا۔

عفیف کی وفات ۱۴۱۵ء کے لگ بھگ ہوئی یعنی سلطان کی وفات سے تقریباً چالیس سال بعد اور یہ ممکن ہے کہ سیرت فیروز شاہی

اور فتوحات فیروز شاہی بھی کسی اور مصنف نے سلطان کے متعلق اسکی وفات کے بعد ۱۴۱۵ء کے لگ بھگ لکھی ہوں یا یہ کہ بہت سے علماء نے مل کر سیرت فیروز شاہی لکھی ہو پھر اس کا خلاصہ فتوحات فیروز شاہی کے رنگ میں جمع متکلم کے صیغہ میں پتھروں پر کندہ کرنے کے لئے جمع کر دیا گیا۔ بہرکیف یہ پتھر عفیف کی وفات تک مینار پر نصب نہیں کئے گئے تھے ورنہ عفیف بھی ان عبارتوں سے متاثر ہو کر اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں کرتا۔ لہٰذا یہ سب امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ سیرت اور فتوحات فیروز شاہی میں مذکورہ تمام روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

ہماری بحث سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ:۔

۱۔ فتوحات فیروز شاہی، سلطان فیروز کی خود نوشت سوانح نہیں ہے بلکہ اس کی سیرت فیروز شاہی سے ملخص عبارتوں کو کتبوں پر لکھے جانے کے لئے جمع متکلم کے صیغہ میں جمع کی گئی ہے۔

۲۔ دوسرا نتیجہ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ہارڈی نے عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے متعلق جو نتائج و حقائق اپنے مقالہ میں مرتب کئے ہیں وہی نتائج و حقائق سیرت فیروز شاہی اور فتوحات فیروز شاہی پر چسپاں ہوتے ہیں یعنی یہ کہ ضروری نہیں کہ سیرت اور فتوحات میں مذکورہ عبارتیں حرف بحرف قابل اعتماد ہوں

بلکہ بسا ممکن ہے کہ ان عبارتوں میں ایک مسلمان سلطان کی اس زمانہ کے علماء کے لحاظ سے معیاری صفات کھینچ تان کر سلطان پر چسپاں کر دی گئی ہوں گویا سلطان فیروز "ٹیلرز ڈمی" یعنی درزی کا مجسمہ ہے جس کے بارے میں لوگوں نے تاریخی روایات کا ناپ لے کر لمبے چوڑے مناقب اور تعریفی حقائق اس پر تھوپ دیئے۔

۳۔ اور یہ روایت کہ سلطان نے جزیہ عائد کر کے لوگوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا اسی قسم کی مبالغہ آمیز روایت ہے جس میں مصنفین کے تصور میں ایک مسلمان سلطان کی معیاری صفت سلطان کے بارے میں بیان کر دی گئی۔ اگر جزیہ عائد کر کے ہندوؤں کو مسلمان کرنے کی روایت درست ہوتی تو عفیف تاریخ فیروز شاہی میں اس کا ضرور ذکر کرتا۔ یا یحیٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی میں اس کا کسی نہ کسی رنگ میں ذکر آجاتا جو عفیف کی وفات کے تقریباً بیس سال بعد لکھی گئی۔

فیروز تغلق پر جزیہ عائد کر کے مسلمان کرنے کے الزام پر تاریخ مبارک شاہی کے بیانات کی روشنی میں تنقید!

تاریخ مبارک شاہی ۱۴۲۸ء میں یعنی فیروز تغلق کی وفات کے پچاس سال بعد لکھی گئی۔ اس میں بھی لوگوں کے جزیہ کی وجہ سے جوق در جوق مسلمان ہونے یا اسلام چھوڑنے کا کہیں ذکر نہیں گیا۔ ہاں یہ لکھا ہے کہ دہلی کے نواح میں اٹاوہ، کول، کھور، کمپایت، قنوج، گوالیار میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ (صلا ۱۶۴ تا صلا ۱۷۰)

نیز یہ لکھا ہے کہ ہند و ملتان، لاہور، سامانہ، حصار فیروزہ اور ہانسی میں اس قدر طاقت پکڑ گئے تھے کہ انہوں نے دہلی کی حکومت کو خراج دینے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے دیہات لوٹتے رہے نیز انہوں نے فیروز تغلق کے کئی غلاموں کو ایک دن میں قتل کر ڈالا (صلا ۱۵۵) اگر فیروز تغلق کے زمانے میں لوگ جزیہ کی وجہ سے جوق در جوق مسلمان ہو چکے ہوتے تو یہ حالت نہ ہوتی اور اگر وہ لوگ اسلام قبول کر کے ارتداد بھی اختیار کر چکے ہوتے تو یحیٰ اپنی تاریخ مبارک شاہی میں اس امر کا ذکر ضرور کرتا۔ پس یحیٰ کی تاریخ میں ان قبولیت اسلام کرنے والوں کا

ذکر نہ ہونا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ سیرت فیروز شاہی اور فتوحات کی روایات حقائق پر مبنی نہیں۔

درایت کے اصولوں پر سلطان فیروز کے متعلق اس روایت کی تنقید

سلطان فیروز کی والدہ ہندو تھی اور اس کے ننہال بطیب خاطر آغوش اسلام[1] میں داخل ہوئے تھے۔ اسی طرح سلطان فیروز کا وزیر اعظم خاں جہاں مقبول ہندو تھا اور از خود اسلام قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ ایسے سلطان اور ایسے وزیر اعظم کے متعلق یہ گمان بعید از قیاس ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کی دلداری ایک دن میں ترک کر دی ہو[2]، اور انہیں جزیہ عائد کر کے مسلمان کرتے چلے گئے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب تبدیل کرنے والے کا جوش اور خلوص ضرب المثل ہوتا ہے لیکن اگر ان کا

ص ۱ ملاحظہ ہو عفیف کی تاریخ فیروز شاہی

ص ۲ عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ "فیروز تغلق پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے ہندوؤں کے ایک بت پر چڑھاوا چڑھایا" اگرچہ عفیف نے اس روایت کی تردید کی ہے تاہم اس سے اتنا ثبوت تو ملتا ہے کہ فیروز تغلق ہندوؤں کی دلداری کیا کرتا تھا۔

جو ش جزیہ عاید کر کے مسلمان کرنے میں صرف ہوُا تھا تو آج سارا دہلی مسلمان ہوتا۔ آخر جن ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا گیا جو بروایت جوق درجوق آغوش اِسلام میں داخل ہوئے وہ دہلی اور دہلی کے نواح سے ہی آئے ہوں گے۔ اگر ایسی مراعات دی گئی ہوتیں کہ مسلمان ہونے والوں پر جزیہ عائد نہ کیا جاتا تو دہلی کے باشندے بدرجہ اولیٰ ایسی مراعات سے فائدہ اٹھاتے لیکن دہلی میں آج تک کبھی مسلمانوں کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی بلکہ بیسویں صدی کے شروع تک دہلی اور اس کے گردونواح میں مسلمانوں کی آبادی چھ سے دس فی صد تک رہی (ملاحظہ ہو امپیریل گزیٹر آف انڈیا)

پھر ہمارے مؤرخین اس بات کا ذکر نہیں کرتے کہ سلطان نے مسلمانوں سے کس قدر زکوٰۃ وصول کی اور یہ کہ ہندؤں کو فوجی خدمت کے صلے میں کس حد تک جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا حالانکہ یہ مسائل بھی تو شریعت سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات اور سیرت کے مصنفین کے مدنظر پندرھویں صدی کے ہندؤں اور شیعہ فرقہ کو تحقیر و تذلیل کے رنگ میں پیش کرنا تھا دگرنہ یہ ضروری نہیں کہ ان دونوں گروہوں کے بارہ میں ان کی پیش کردہ روایات حرف بحرف درست ہوں

ابن بطوطہ کی ایک روایت پر تنقید!

ابن بطوطہ ہندوستان میں تیرھویں صدی کے شروع میں یعنی عفیف کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے آیا اس نے اپنے سفرنامے میں کہیں ذکر نہیں کیا کہ فیروز سے قبل دوسرے سلاطین نے کبھی جزیہ عائد کر کے لوگوں کو مسلمان کیا ہو۔ اسی طرح ۱۳۵۰ تا ۱۳۵۷ء میں لکھی ہوئی علامہ اقبال الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی اس بات کا ذکر نہیں حالانکہ برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی سلطان فیروز کے عہد حکومت کے ابتدائی سالوں میں لکھی تھی۔ لہٰذا اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ فیروز نے جزیہ عائد کیا اور اس طرح کچھ لوگ مسلمان ہوئے تو ایسے اِکّا دُکّا واقعہ کو پھیلا کے عمومی رنگ میں پیش کرنے کا جواز پھر بھی پیدا نہیں ہوتا اور اس لحاظ سے بھی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کی اس رائے کی تردید کرنا پڑتی ہے کہ ہندوپاکستان کے مسلمانوں کی اصلیت یہ ہے کہ انہیں رشوت اور روپیہ دے کر مسلمان کیا گیا تھا۔

ہندوؤں کے اسلام قبول کرنیکے متعلق ابن بطوطہ کی روایت

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے سلاطین

کے ہاں دستور یہ تھا کہ اگر کوئی ہندو مسلمان ہوتا تو اسے بادشاہ کے حضور پیش کیا جاتا تھا اور بادشاہ اسے اس کے رتبہ کی نسبت سے سونے کا ٹکڑا یا انعام عطا کرتا تھا۔

اس روایت کی تصدیق ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ سلطان کو ایک مرتد خسرو اس بہانے سے قتل کرانے کے لئے محل سے باہر لے آیا کہ کچھ ہندو مسلمان ہوئے ہیں اور وہ دربار میں پیش کئے جائیں گے۔

اسی طرح ابن بطوطہ کی روایت ہے کہ اگر کوئی مسلمان سلطان دہلی کے دربار میں آتا تو حاجب اسے کہتا تھا "بسم اللہ" اور اگر کوئی ہندو سلطان کے پاس آتا تھا تو حاجب اسے "یھدیک اللہ" کہتا۔ ہماری رائے میں ابن بطوطہ کی یہ روایت درست معلوم ہوتی ہے تاہم اس سے بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ مسلمان سلاطین نے لوگوں کو قبولیتِ اسلام کی غرض سے زر و دولت دیا تھا۔

ابن بطوطہ نے صاف لکھا ہے کہ سلطان اسلام قبول کرنے والے کو جو انعام دیتا تھا اس کی قیمت اسلام قبول کرنے والے کے سماجی رتبہ کے لحاظ سے معین کی جاتی تھی۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ بعض خلجی سلاطین دہلی نے ۱۳۰۰ء کے لگ بھگ یہ دستور بنا رکھا ہو کہ

بڑے رتبہ کے لوگوں میں سے اسلام قبول کرنے والوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا ہو اور ان کو سلطان کی طرف سے انعام واکرام سے نوازا جاتا ہو[۱]۔

کیونکہ انعام واکرام تو سلطان معزز لوگوں اور ملنے والوں کو دیا ہی کرتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنا جیسا کہ سر آرنلڈ نے نکالا ہے کہ خلجی سلاطین نے انعام دے کر قبولیت اسلام کی حوصلہ افزائی کی ضروری نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض خاص لوگوں کو سیاسی مصلحت کے پیش نظر مسلمان ہوتے ہوئے انعام بھی دے دیا جاتا ہو۔ علامہ برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی کہ ہر ایک مسلمان ہونے والے کو انعام دیا جاتا ہو بلکہ برنی نے صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمان ہونے والوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا لہذا ابن بطوطہ کی روایت کو محدود کرنا پڑے گا کہ بعض قبول اسلام کرنے والوں کو تکریم واعزاز کی غرض سے انعام بھی دے دیا جاتا تھا۔

ہماری رائے میں ابن بطوطہ اور برنی کی اس روایت سے

۱؎ اگرچہ برنی کی روایت میں سلطان کے سامنے پیش کئے جانے کا ذکر تو ہے لیکن انعام واکرام دیئے جانے کا ذکر نہیں۔

یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ۱۳۰۰ء کے لگ بھگ خلجی سلاطین کے زمانہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد بہت کم تھی ورنہ اگر ہر روز ہزاروں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوتے تو نہ سلطان کے پاس اتنا وقت ہوتا کہ انکو اپنے پاس بلا کر انعام دیتا اور نہ ہی خزانہ عامرہ میں ایسے انعامات کی گنجائش نکل سکتی تھی۔

ابن بطوطہ کی روایت سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ مسلمان سلاطین روادار اور انصاف پسند تھے ان کے دربار میں مسلمان اور ہندو سبھی آتے اور ہندوؤں کو مسلمان ہونے پر کبھی مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ حاجب ہندوؤں کو یهدیك الله کی دعا دیتا ہوا سلطان کے سامنے پیش کر دیتا تھا۔ ان سے کمتری کا سلوک کئے جانے کا کہیں ذکر نہیں۔ ہاں کبھی انہیں سیاسی مصلحت یا اسلامی جذبہ اخوت کے اظہار کے لئے مسلمان ہونے پر کوئی انعام یا تحفہ بھی دے دیا جاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر بڑے مسلمان ہونے والے کو سلطان کے سامنے پیش کرنے کی رسم تغلق دور اور بعد میں مغلیہ دور میں جاری نہیں رکھی گئی بلکہ بعض خاص ادوار میں (۱۳۰۰ء کے لگ بھگ) بعض سلاطین نے یہ طرز عمل جاری کیا، جو ابد میں جاری نہیں رہ سکا۔

کشمیر میں سلطان سکندر پر

ہندوؤں کو بالجبر مسلمان کرنے کے الزام کی تردید

کشمیری مسلمانوں کے متعلق بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمان اولیاء اور صوفیاء کی مساعی کے نتیجہ میں ۱۲۰۰ء کے لگ بھگ زمانہ میں اسلام قبول کرنا شروع کیا اور اس کثرت سے اسلام قبول کیا کہ آج بھی کشمیر میں مسلمانوں کی غالب اکثریت موجود ہے۔

۱۹۴۷ء میں برصغیر ہندوستان کی تقسیم کے بعد بھارت کے مؤرخین کو اس بات کی طرف نئے سرے سے توجہ کرنا پڑی کہ آخر کشمیر کے مسلمان جہاں واضح طور پر قرون وسطیٰ میں بہت کم آباد کاروں نے آکر ہمیشہ کے لئے رہائش اختیار کی، کہاں سے آئے! ظاہر ہے کہ کشمیر میں مسلمان صوفیاء کی مساعی اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کا مسلمان ہونا ہر انصاف پسند کے لئے ایک واضح حقیقت ہے، لیکن حال ہی میں کئی مصنفین نے کشمیر کے سلطان سکندر کے متعلق ایک مشتبہ روایت کی بناء پر اس الزام کو کثرت

سے اچھالا ہے کہ سلطان سکندر بت شکن تھا اور اس نے ۱۳۹۶ء سے ۱۴۱۶ء تک کے عہد حکومت میں ہندؤں کو بہ نوک شمشیر مسلمان کیا۔

اب ہم روایت و درایت کے اصولوں پر سلطان سکندر پر اس الزام کی تحقیقات کر کے دیکھیں گے کہ مذکورہ الزام کہاں تک درست ہے۔

یاد رہے کہ کشمیر کے سلاطین کی تاریخ کا ۱۳۰۰ء سے ۱۵۰۰ء کے زمانہ تک کا کوئی ایک بھی قابل اعتبار تاریخی ماخذ موجود نہیں۔ جن مؤرخین نے اس الزام کو اچھالا ہے انہوں نے مغلیہ عہد میں لکھے ہوئے تاریخی ماخذ فرشتہ و طبقات اکبری پر اعتماد کر کے ان کی رائے کو قابل اعتماد قرار دیا ہے حالانکہ ان مؤرخین نے سلطان سکندر کے تین چار سو سال بعد تاریخ لکھی اور انہوں نے یہ رائے کہیں سے نقل کی ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ تاریخ کے اصل منبع کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے۔ اگرچہ ہم بدقسمتی سے یہ اصل منبع "راجہ ترانگمی از کالاہانہ" دستیاب نہ ہو سکنے کی وجہ سے مطالعہ نہیں کر سکے تاہم حسب ذیل حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:۔

کشمیر کے متعلق جتنے ماخذ فارسی زبان میں عہد مغلیہ میں لکھے گئے[1]

---

[1] جرمنی میں تاریخ کشمیر پر ایک خطی نسخہ محررہ ۱۶۲۹ء ہمیں "برلن ترنگ"

ہیں ان سب کا منبع کالا ہانہ کی سنسکرت نظمیں ہو سکتی ہیں جو کالا ہانہ اور اس کے متبعین نے گیارھویں سے چودھویں صدی کے عرصہ میں لکھیں چنانچہ ملاحظہ ہو اس بارہ میں ایک ہندو مؤرخ "رام چندر کاک" کی رائے۔

(اس رائے کی تائید انگریز مستشرق "اسٹوری" نے بھی کی ہے اور ہم یہ رائے اسٹوری کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں)

"مغل عہد حکومت میں مسلمانوں اور ہندو مؤرخین کے ایک مہمان نے سرکاری فارسی زبان میں ان واقعات کو جو اس کی زندگی میں رونما ہوئے اور ان روایات کو جن کو اس نے زندہ شہادتوں سے سنا قلم بند کیا اگرچہ ان میں سے ایک بھی کالا ہانہ کے معیار کی نہیں۔ جو کچھ اس نے ہندو عہد کے متعلق لکھا وہ اس نے کالا ہانہ سے نقل کیا۔ اور نقل بھی مستند رنگ میں کیا۔"

(کاک اِن سٹوری جلد اوّل، ص ۶۷۸)

بقیہ از گذشتہ صفحہ۔

(BERLIN TABRIGH) کی لائبریری سے ملا ہے جسکے مصنف کا نام موجود نہیں اسمیں بھی فرشتہ اور طبقات اکبری سے واقعات حرف بحرف نقل کئے گئے ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مغلیہ عہد کے فارسی مؤرخین کی رائے سلطان سکندر کے بارے میں بلا وجہ ایک دوسرے سے حرف بحرف نہیں ملتی ان سب مؤرخین کا ماخذ کالا ہانہ اور اس کے متبعین کی سنسکرت کی نظمیں ہیں جن کا ترجمہ شہنشاہ اکبر نے فارسی زبان میں کروایا تھا۔

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ہمیں کالا ہانہ کے اُس حصّہ کی تاریخ جو چودھویں صدی سے متعلق ہے۔ اصل سنسکرت نسخہ یا اس کا انگریزی یا فارسی ترجمہ انگلستان وجرمنی میں چھان بین کے باوجود نہیں مل سکا ۱؎ اور ہم روایتی نقطہ نظر سے تنقید کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں تاہم یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ کالا ہانا ایک برہمن تھا جس نے نظمیں لکھیں اور ان نظموں میں جو کچھ لکھا گیا اس میں بہت سی غلط روایات بھی موجود ہیں۔

درایتی نقطہ نظر سے تنقید

اب ہم کالا ہانہ کی تاریخ پر درایتی نقطہ نظر سے تنقید کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کا مصنف سلطان سکندر کا تو بڑا دشمن

۱؎ اسٹوری ان پرشین لٹریچر، جلد اول صفحہ ۶۷۸

لیکن سلطان سکندر کے بیٹے زین العابدین کا بڑا دوست ہے اور سلطان سکندر سے اس کی دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ سلطان سکندر کا وزیر اعظم جو برہمن تھا اور سیہ بُت نام رکھتا تھا وہ مسلمان ہو گیا۔ کالاہانہ کو دشمنی سلطان سکندر سے نہیں بلکہ سیہ بُت سے ہے۔ چنانچہ کالاہانہ دیا اس کے منشی نے) سیہ بت سے بغض کے رنگ میں یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے مندروں کو تڑوایا اور اس قدر جزیہ لگایا کہ سارے ہندو جزیہ سے گریزاں ہو کر خود بخود مسلمان ہوتے چلے گئے اور کئی لوگوں کو بالجبر مسلمان کیا گیا۔ لے

کالاہانہ کے اس بیان کی تردید خود اس کے اپنے بیان سے ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ جب سلطان سکندر اور سیہ بت کا دورِ حکومت جاتا رہا تو زین العابدین سلطان بنا۔ اب کالاہانہ کہتا ہے کہ جتنے لوگ سلطان سکندر کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے زین العابدین کے زمانہ میں ہندو ہو گئے۔ اور کسی نے انکو تبدیلیٔ مذہب سے نہ روکا۔

کالاہانہ کی اس تمہید اور اس سے زین العابدین کی تعریف کے لئے نتیجہ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظمیں لکھ رہا ہے اور اس کا مقصود

لے ہم ان واقعات پر فرشتہ اور طبقات اکبری پر اعتبار کرتے ہوئے تنقید کر رہے ہیں۔

سیہ بٹ اور سلطان سکندر کے خلاف لیکن زین العابدین کے حق میں لکھنا ہے لہٰذا اسکی روایات قابل اعتماد نہیں ہو سکتیں۔ ہاں کشمیر میں ایک مسلمان صوفی نے دن میں کئی کئی ہزار لوگوں کو مسلمان کیا ص۱ اور جیسا کہ ہم آگے یہ بیان کریں گے کہ کشمیر میں مسلمان صوفیا اور اوراولیا، کو پُرامن طریق سے لوگوں کو مسلمان کرنے میں بہت کامیابیاں حاصل ہوئیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا کشمیر کے متعلق ہم اپنے نتائج کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ :-

۱- ۱- کشمیر میں مسلمان سلاطین کی حکومت کے متعلق عہد مغلیہ کی تاریخی کتب میں جو روایات لکھی گئی ہیں ان کی حقیقت ثانوی سے زیادہ نہیں۔ ان روایات کا ماخذ کالاہانہ برہمن کی نظمیں ہیں جو کہ موجودہ تحقیقات کی رُو سے بجائے خود قابل اعتماد نہیں۔

۲- اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کالاہانا کی روایت کہ سلطان سکندر اور سیہ بٹ نے لوگوں کو بالجبر مسلمان کیا درست ہے تو اس کے ساتھ ہی کالاہانا کی یہ روایت بھی درست تسلیم کرنا

ص۱ میر علی ہمدانی نے ۱۳۹۲ء میں ۲۷۰۰ افراد کو کشمیر میں مسلمان کیا۔ ملاحظہ ہو کتاب "سعادت" ص۳ و ص۲۳ خطی نسخہ کا حوالہ از کتاب اشتیاق حسین قریشی۔

ہو گی کہ جتنے لوگ سلطان سکندر کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اس کے بیٹے زین العابدین کے زمانہ میں سب کے سب ہندو ہو گئے ۔

۳ ۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں سیاسی مصلحت کے پیش نظر لوگ کبھی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ شیعہ ، عراقی ، عرب اور فارسی صوفیار اور اولیار نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کے لئے کشمیر کو اپنا خصوصی مرکز قرار دے لیا تھا اور دہلی اور نواح دہلی سے کئی صوفیا ، سیاسیات سے کنارہ کشی کی غرض سے کشمیر چلے جاتے تھے [۱]

۴ ۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کشمیر میں بنگال کی طرح بدھ مت قرون وسطی میں زیادہ مقبول مذہب تھا [۲] اور ہندو مت کو کشمیر میں کبھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا ۔ ... اور کے بعد جب ہندو کشمیر میں پاؤں جمانے کی کوشش

---

[۱] ملاحظہ ہو سیر العارفین تذکرۃ الاولیار ، ٹیوبنگن جرمنی میں خطی نسخہ کی روایت کہ ایک صوفی نے کئی صوفیار کو کشمیر چلے جانے اور وہاں تبلیغ کا مشورہ دیا ۔

[۲] ملاحظہ ہو طبقات اکبری ص ۹۹ ۔

کر رہے تھے مسلمان صوفیا ر نے اپنی تبلیغ اسلام کی کوششیں تیز تر کر دیں اور کشمیر کے باشندے جنہوں نے ابھی تک ہندو مت قبول نہیں کیا تھا کثیر تعداد میں ۱۳۰۰ء تا ۱۵۰۰ء کے زمانہ میں آغوشِ اسلام میں داخل ہوئے۔

یہاں ہم اپنے پہلے موقف کو دہرائیں گے جسکا ذکر بنگال میں اشاعت اسلام کے حصے میں کر آئے ہیں کہ ہندو مت اور بدھ مت کی کشمکش سے اشاعتِ اسلام کو بہت بڑا فائدہ پہنچا۔ بالخصوص بنگال اور کشمیر میں اور کسی حد تک سندھ کے علاقوں میں بھی [1]

---

[1] اس حصہ کی تکمیل کے بعد یہ حاشیہ درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت تاریخ راجا ترنگنی جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کالا ہانا نے ۱۱۴۸ میں مکمل کی اسکے بعد کئی دوسرے برہمن اس کتاب میں نئی نظمیں شامل کرتے رہے۔ پس کالا ہانا کے مصنف ہونیسے یہ بھی مراد ہے کہ بعض واقعات جو سکندر کے زمانے متعلق ہیں اسکے کسی منشی نے لکھے ہونگے

سلطان سکندر لودھی پر
الزامات کی تردید!

سلطان سکندر لودھی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُسنے ہندوؤں سے بہت سختی کا سلوک کیا۔ اس نے ایسے لوگ متعین کئے جو ہندوؤں کو اشنان سے منع کرتے تھے نیز متھرا اور ہندوؤں کے دوسرے مقدس شہروں میں مہمان سرائے، بازار، مسجدیں اور مدرسے بنوائے [۱]

یہ روایت طبقات اکبری نے سب سے پہلے لکھی ہے جو اس واقعہ کے تقریباً ایک سو سال بعد لکھی گئی ہے۔ کسی معاصر تاریخ سے اس واقعہ کی تائید نہیں ہوتی۔ نیز طبقات اکبری میں یہ ذکر کہیں نہیں کہ سلطان سکندر لودھی نے لوگوں کو بالجبر مسلمان کیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ کسی خاص مقام پر اس نے کسی سیاسی یا سماجی مصلحت کی بنا پر ہندوؤں کو اشنان کرنے سے منع کیا ہو اور متھرا وغیرہ میں مسلمانوں کے

---

[۱] ملاحظہ ہو طبقات اکبری ص ۳۳۶

حقوق کی حفاظت کی غرض سے مسجدیں اور مدرسے بنوائے ہوں۔

سلطنت دہلی کے ہندوؤں کے متعلق ضیاء الدین برنی کی رائے!

اگر کسی مسلمان اوسط درجہ کے مصنف نے قرون وسطی میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ہندوں پر جزیہ عاید کر دینا چاہیئے یا انہیں بالجبر مسلمان بنا لینا چاہیئے تو ظاہر ہے کہ اس سے مذہب اسلام یا بالجملہ دوسرے مسلمان سلاطین کے متعلق طنزیہ رنگ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے ہندوؤں سے رواداری کا سلوک نہیں کیا، علامہ ضیاء الدین برنی ایک تنگ نظر عالم تھے، ممکن ہے اپنے زمانے کے لحاظ سے وہ بہت بڑے عالم ہوں لیکن بعض مقامات پر انہوں نے اسلام کی مسخ شدہ صورت بھی پیش کی ہے۔ اور اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں واقدی کی طرز پر چھوٹے چھوٹے حقیقی یا فرضی واقعات کو ڈرامائی مکالمات اور کہانیوں کے رنگ میں پیش کیا ہے ضیاءالدین برنی کی تاریخ نویسی پر متعدد اصحاب تحقیق کر کے ڈاکٹریٹ کے درجہ کے مقالہ جات لکھ چکے ہیں۔ ان کا ذکر یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے لہذا چند ایک ایسے محققین کے مقالہ جات کی فہرست پیش کی جاتی ہے:۔

ڈاکٹر افسر۔ پولٹیکل تھیوری آف دی سلطانیٹ آف دہلی۔ کتاب محل دہلی۔ یونیورسٹی آف لنڈن کی طرف سے پی، ایچ، ڈی کے لئے منظور شدہ مقالہ۔

ڈاکٹر ہارڈی۔ ہسٹوریئنز آف میڈویل انڈیا، لندن سنہ ۱۹۶۰ء

اے۔بی۔ایم حبیب اللہ۔ ری ویلویشن آف دی لٹریری سورسز آف پری مغل ہسٹری اِن اسلامک کلچر، ۱۹۴۱ء

اردو زبان میں برنی کی تاریخ فیروزشاہی پر کوئی تنقیدی مقالہ اب تک ہماری نظر سے نہیں گذرا اور بدقسمتی سے اکثر اردو تاریخ نویس برنی کے تاریخی ڈراموں کو لفظ بہ لفظ درست خیال کر کے تاریخ فیروز شاہی کی فرضی روایات کو اپنی تواریخ میں درج کرتے جارہے ہیں۔ ہم نے ان مقالہ جات کا اندراج اس لئے کیا ہے تا یہ معلوم ہو سکے کہ برنی کے متعلق جو ریسرچ اب تک ہو چکی ہے وہ کسی لحاظ سے نامکمل یا جانبدارانہ نہیں کہلا سکتی۔

تحقیق کا خلاصہ!

برنی کے متعلق ریسرچ کا خلاصہ یہ ہے کہ ضیاءُ الدین برنی کی

تاریخ فیروز شاہی کو ایک لمبے عرصے تک ہندوستان کی سلطنت دہلی کے متعلق ایک قابل اعتبار ماخذ سمجھا جاتا رہا ہے اور کم و بیش سبھی انگریز و ہندوستانی مصنفین نے برنی کے تاریخی ڈراموں سے مکالمات لفظ بہ لفظ نقل کئے ہیں[۱]۔ حالانکہ کئی ایک مکالمات ایسے زمانہ سے متعلق ہیں جبکہ برنی ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر برنی نے وہ مکالمات خود نہیں سنے اور وہ کسی جگہ لکھے بھی نہیں گئے تو برنی نے وہ مکالمات خود اپنی زرخیز ہی ذہن سے گھڑے ہوں گے لیکن اس درایتی نکتہ کی طرف ۱۹۴۲ء تک کسی مصنف یا تاریخ نویس کا ذہن نہیں گیا۔ ۱۹۴۲ء میں مہدی حسن نے اسلامک کلچر حیدرآباد میں اس موضوع پر بحث اٹھائی کہ برنی کے تاریخی ڈراموں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ یونانی تاریخ نویسی (THUCIDYDE) کی طرح کہانیاں لکھتا ہے۔ ۱۹۵۶ء کے لگ بھگ ڈاکٹر ہارڈی کو لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں برنی کی ایک اور کتاب "فتاوی جہانداری"[۲]

۱۔ لین پول۔ میڈویل انڈیا، آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا

۲۔ یہ کتاب انڈیا آفس نے ہمیں ہمبرگ بھجوادی تھی جس کے لئے ہم انکے بہت ممنون ہیں۔ فتاوی جہانداری اصل فارسی متن اب تک طبع

مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تو معلوم ہوا کہ فتاویٰ جہانداری میں ضیاء الدین برنی نے کئی مسائل فقہی ابحاث اور سلاطین کی ہدایات پولیٹیکل تصویریوں کے رنگ میں جمع کر رکھی ہیں۔ جب ان ابحاث اور ہدایات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان ہدایات کے الفاظ ان مکالمات سے لفظ بہ لفظ ملتے ہیں جو برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں تاریخی ڈراموں کے کرداروں کے منہ سے بلواتا چلا جاتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ برنی کا مقصد حقائق سے ابریز تاریخ لکھنا نہیں تھا بلکہ حقیقت سے قطع نظر اس نے سبق آموز واقعات کو تاریخی کرداروں کی طرف منسوب کر دیا ہے تاکہ اسکی تاریخ کا مطالعہ آئندہ آنے والے مصنفین مسلمان قوم اور سلاطین کے لئے سبق آموزی کا موجب ہو۔ چنانچہ جب برنی لکھتا ہے کہ بلبن یا فلاں سلطان نے ہندوؤں سے برا سلوک کیا یا یہ کہ ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا اور انہیں مسلمان کیا تو اس سے کوئی تاریخی حقیقی واقعہ مراد نہیں ہوتا بلکہ اس میں صرف دوسرے سلاطین کو مشورہ

بقیہ از گذشتہ صفحہ :- نہیں ہوا۔ البتہ ضروری حصوں کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر افسر کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

دیتا ہے کہ وہ ہندوؤں سے برا سلوک کریں ۔ اس سے یہ تاریخی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ سلطان بلبن یا کسی دوسرے سلطان نے فی الواقعہ ہندؤں سے برا سلوک کیا —— یہ ہے برنی کے تاریخی مکالمات کی کل حقیقت ۔

یہاں ہم نمونتاً ایک مکالمہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جسمیں برنی نے علاؤالدین خلجی کے متعلق بزعم خود یہ بیان کیا ہے کہ اس نے ہندوؤں سے برا سلوک کیا ۔ واضح رہے کہ یہ مکالمہ تقریباً سبھی انگریز مؤرخین مثلاً لین پول ، اور وہیلر وغیرہ نے اپنی تواریخ ہندوستان میں لفظ بہ لفظ ترجمۃً درج کر کے یہ غلط نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ علاؤالدین خلجی نے ہندوؤں سے بہت سختی کا سلوک کیا ۔ حالانکہ یہ ایک ڈرامائی مکالمہ ہے جو ضروری نہیں کہ حقیقت ہو ۔ بحوالہ از تاریخ فیروزشاہی صفحہ ۲۹۰ تا صفحہ ۲۹۱ :۔

"سلطان علاؤالدین قاضی مغیث را گفت کہ امروز من از تو چند مسئلہ خواہم پرسید ....
اول مسئلہ سلطان علاؤالدین از قاضی مغیث پرسید کہ خراج گذار و خراج دہ دار شرع چگونہ ہندواں را گویند ، قاضی گفت خراج گذار در شرع ہندوان را

گویند که چون محصل دیوان از وسیم طلب نماید بنیت
و تواضع بی هیچ خدشه بتعظیم زر ادا کند و اگر محصل
خوی در دهن او اندازد او بی هیچ تعزی دهن باز
کند تا محصل خوی در دهن او اندازد و در آں حاصل
محصل را خدمت کند و مراد ازیں لینت او تواضع
کردن او و خوی انداختن محصل در دهن او غایت
اطاعت ذمی است و عزت دینِ اسلام حق است
و خواری دین باطل ست و خدای در خواری داشتن
ایشاں می فرماید (لیعطوا الجزیة عن یدٍ وهم
صاغرون)

خاصةً خواری داشتن هندو از لوازم دین داریست
زیراچه ایشاں دشمن ترین دشمنان مصطفیٰ اند زیرا
چه مصطفیٰ علیه السلام در باب هندواں کشتن و غنیمت
ساختن و بندگی گرفتن حکم کرده است . یا ایشاں اِسلام
آرند یا ایشاں را بکشتند و به بندگی گیرند و مال و ملک ایشاں
را غنیمت سازند و جز امام اعظم که ما مذهب او داریم
در باب قبول کردن جزیهٔ هندواں و از صاحب مذهبان

دیگر روایتی نیامدہ ست و نزدیک علماء دیگر درباب ہندو اِمَّا الْقَتْلُ وَ اِمَّا الْاِسْلَام ۔ سلطان علاؤالدین ازیں جواب قاضی مغیث درخندہ شد و گفت، ازیں سخن ہائے کہ تو گفتی من ہیچ نمی دانم ولیکن بمن بسیار رسیدہ بود کہ خوطاں و مقدساں براسپاں خوب سوار مے شوند وجامہای پاکیزہ مے پوشند و بکمان فارسی تیر مے فرستند دیگر جنگ می کنند و شکار می روند واصلاً از خراج جزیہ و کری و چرای خود چیتل نمی دہند قسمت خوطی علاحدہ از دیہہ ہا می ستانند و مجلس می سازند و شراب می خورند و بعضے اصلاً بہ طلب و غیر طلب در دیوان نمی آیند ۔ ۔ ۔ ۔ باخود گفتم کہ من می خواہم اقلیم دیگیر گیرم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ازیں جہت میزان ہابستم و رعایا را فرماں بردار ساختم و چناں کردم کہ از فرمانِ من ہر ہمہ در سوراخ موش در روندا۔“

اس اصل فارسی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عالم قاضی مغیث الدین نے سلطان علاؤ الدین خلجی سے کہا کہ (بالفاظ برنی، نقل کفر کفر نباشد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوؤں کے

بارہ میں فرمایا ہے کہ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں یا ان کو مار دیا جائے غلام بنا لیا جائے ، ان کے اموال کو مالِ غنیمت شمار کیا جائے اور یہ کہ سوائے امام اعظم رحمتہ اللہ کے جن کا مذہب ہم (بقول برنی ہندوستان کے قرونِ وسطےٰ کے مسلمان) رکھتے ہیں ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنے کے جواز کے متعلق کہیں روایت نہیں آئی ، دوسرے علماء ہندوؤں کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں کہ اما القتل و اما الاسلام ...... اس پر سلطان علاؤالدین نے قاضی مغیث سے کہا ..... یاد رکھو ہندو کبھی فرماں بردار اور مطیع مسلمان نہ ہو گا جب تک اسے بے نوا اور بے اسباب نہ کر دیا جائے اور میں نے اسی وجہ سے ہندوؤں سے سختی کا سلوک روا رکھا ہے .... الخ

اِس عبارت کے متعلق ہماری رائے

ہم اس عبارت کے بارے میں ڈاکٹر ہارڈی اور دوسرے محققین برنی سے اتفاق کرتے ہیں اور مزید برآں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عبارت اس نے خود وضع کر کے علماء اور آنحضرت کی طرف منسوب کر دی ہے ۔ اور اس سے خود برنی کے مبلغ علم اور مرتبہ کا اندازہ

بخوبی ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی مستند عالم نہیں تھا۔ نیز ہم اس رائے سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ یہ اور دیگر اس قسم کی روایات فرضی کہانیاں ہیں جو برنی نے بالخصوص (اور بعض دوسرے ماخذ نویس مؤرخین، عطبی، عفیف وغیرہ نے بالعموم) سلاطین اور ان کے معاصر مصاحبین علمار کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ ہم یہ بہ بانگِ دہل دعوے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں نہیں فرمایا کہ ہندو یا اسلام قبول کرلیں یا انہیں مار دیا جائے اور غلام بنالیا جائے۔ اسی طرح کسی دیگر متقدم عالمِ دین یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عبارات سے بھی ہمیں یہ فقرے بہ ہزار تلاش نہیں مل سکے جو برنی نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ یہ صرف برنی کی تنگ نظر آرار ہیں جو اس نے ہندوؤں سے ذاتی مناقشات کی بنار پر ہندوؤں کے خلاف سلاطین اور مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے وضع کی تھیں۔

نمبر۱ برنی نے آنحضرتؐ کی طرف روایت غلط منسوب کرتے ہوئے یہ غیر منطقی فقرہ لکھ ڈالا ہے۔ حالانکہ جب ہندو مار دیئے جائیں گے تو غلام کس کو بنایا جائے گا؟ یا پھر اسکی مراد یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے بہر حال سب آرا جعلی اور غلط ہیں۔

برنی کی ہندوؤں سے ذاتی دشمنی

ہماری رائے میں اس امر کا بھی قیاس موجود ہے کہ برنی کو بعض ہندو جاگیرداروں اور امراء سے خاندانی اور ذاتی شکایات تھیں چنانچہ وہ اپنی لغتِ محمدی اور تاریخ کے بعض مقامات پر اس چیز کا ذکر کرتا ہے کہ اس کا باپ جو سلطان محمد تغلق کے دربار میں ممتاز افسر تھا دشمنوں کی عداوت اور حسد کا شکار ہو گیا اور یہ بھی لکھتا ہے کہ اگر سلطان فیروز تغلق اس کے باپ کے سرپرست محمد تغلق کی وفات کے بعد اس کی دستگیری نہ کرتا تو وہ فاقہ، تنگی اور دشمنوں کی تنگ دلی کا شکار ہو جاتا۔ پس یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے دشمن کون تھے؟ ہمارے خیال میں یہ ہندو جاگیردار ہی ہو سکتے ہیں جنہیں محمد تغلق کے دربار میں قرب حاصل تھا اور یہی وجہ ہے کہ برنی کی آراء اور ڈرامہ نویسی میں ہندوؤں کی تذلیل اور ان کے خلاف غلط روایات اور فتاویٰ جاری کرنے کا عنصر موجود ہے۔

برنی کی ہندوؤں سے دشمنی کا اندازہ اس حوالہ سے بھی ہو سکتا ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ دہلی کے نواح میں قحط پڑا اور قحط کے نتیجہ میں ہندوؤں کو جوق در جوق دریائے جمنا میں خودکشی کے لئے

چھلانگیں لگانا پڑیں ۔ اب ظاہر ہے کہ قحط و وبا سے مسلمان بھی ضرور متاثر ہوئے ہوں گے ۔ لیکن برنی ہندوؤں کی تذلیل و تحقیر کی غرض سے بار بار انہیں اور صرف انہیں قحط زدہ بیان کرتا ہے، جس سے اس کی رائے میں تعصب کا پہلو ظاہر ہوتا ہے ۔

کیا واقدی، برنی اور عفیف کی ساری روایات غلط ہیں ؟

اس مقام پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان مؤرخین ، یعنی واقدی ۔ برنی اور عفیف ، سب کی روایات غلط ہیں ؟ اور اگر ایسی ہی ہے تو ہم نے اپنی اس تحقیق میں بعض مقامات پر ان کے بعض تائیدی حوالہ جات کیوں قبول کر لئے ہیں ؟ اس سوال کا اصولی جواب برصغیر ہند و پاکستان کے عظیم مؤرخ اسلام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد (متوفی ۱۹۶۵ء) کی طرف سے ان کی کتاب "سیرت خاتم النبیین" کے دیباچہ میں واقدی کی تاریخ نویسی پر بحث کے ضمن میں دیا جا چکا ہے چنانچہ صاحبزادہ صاحب کی رائے میں واقدی کی تمام روایات کو محض اس وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے بعض مقامات پر فرضی اور جھوٹی روایات درج کی ہیں ۔ کیونکہ دنیا کا سب سے جھوٹا انسان بھی ہمیشہ جھوٹ نہیں بولتا بلکہ کبھی کبھار سچی بات بھی

بیان کر دیتا ہے ۱؎۔ یہی رائے جو حضرت صاحبزادہ صاحب نے واقدی کے متعلق پیش کی ہے برنی اور عفیف پر بھی چسپاں ہوتی ہے چنانچہ برنی اور عفیف کی تواریخ میں ڈراما نویسی اور فرضی واقعات درج ہونے کے باوجود ہم نے ان کی بیان کردہ روایات کو کلیتہً رد نہیں کیا بلکہ اگر کسی موقعہ پر جرح و تنقید کے بعد یہ ثابت ہوا کہ ان کی کوئی روایت قابل اعتماد ہے تو ہم نے ایسی روایات کو درج کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مثلاً برنی نے قبل ازیں مذکور فارسی حوالہ میں قاضی مغیث اور علاؤالدین خلجی کا فرضی مکالمہ درج کیا ہے وہاں وہ ہندوؤں کے متعلق لکھتا ہے کہ ہندو جاگیردار بہت متمول اور مرفہ حال تھے اور خراج، چرائی و محصول ادا کرنے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ نیز گھوڑوں پر آزادی سے رئیسانہ رنگ میں سواری کرتے تھے، صاحب دیوان کے طلب کرنے پر سرکاری دفتر میں حاضری کی بالکل پرواہ نہ کرتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے متعلق برنی کی روایات قطع نظر اما القتل و اما الاسلام کے فتوٰی کے درست ہیں۔ اور یہ بات برنی کی ان سطور سے واضح ہوتی ہے کہ بعض ہندو کئی لحاظ سے

۱؎ ۔ نیز ملاحظہ ہو کتاب سورسز آف سیرت از مرزا بشیر احمد

مسلمانوں سے زیادہ آسائش اور آزادی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو برنی کو کبھی سلاطین اور امرائے سلاطین کو ڈرامہ نویسی کے رنگ میں اس وعظ و نصیحت کی ضرورت نہ پڑتی کہ ہندوؤں کو دباؤ یہ ہم سے آگے نکلتے جا رہے ہیں۔ اور اگر یہ حقائق درست نہ ہوتے تو خود برنی کے معاصرین اس کی تاریخ پڑھنے کے بعد اسے کہتے کہ ہندو تو پہلے ہی دوسرے درجہ کے شہری ہیں تم انہیں کس منہ سے متمول اور متکبر بیان کرتے ہو؟ پس برنی کی روایات سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ بالفعل کبھی ہندوؤں پر قبول اسلام اور عدم قبول کی صورت میں قتل اور جزیہ کا غلط فتوئی سلاطین ہندوستان کی طرف سے عمل میں نہیں لایا گیا۔ بلکہ ہندو مسلمانوں سے زیادہ آسائش اور تمول کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

حصّہ دوم

حصّہ دوم

اشاعت اسلام کن ذرائع سے ہوئی

اگر مسلمان سلاطین نے ہندوؤں کو بالجبر مسلمان نہیں کیا تو طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام کن ذرائع سے ہوئی ؟

یاد رہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے ذرائع پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ ایک مستقل عنوان ہے جسے ہم صرف ضمنی طور پر اختصار کے ساتھ ان حوالوں کی روشنی میں بیان کرنا چاہتے ہیں جو ہمیں مذکورہ بالا مشتبہ روایات کی تحقیقات کے دوران تاریخی ماخذ میں سے حاصل ہوئے ہیں۔ ہم نے صرف ایسی روایات اصل ماخذ اور خطی نسخوں سے جمع کی ہیں جو ہماری رائے میں اب تک مطبوعہ کتب میں درج نہیں ہو سکیں کیونکہ اگر ساری روایات کو بیان کیا جائے تو وہ بذاتہٖ ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔

(۱) علماء اور اولیاء کی تبلیغ و صحبت کا اثر

ہندوستان کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے مآخذ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس دور میں بالخصوص علمائے اسلام کا ایک طبقہ وعظ ونصیحت اور تبلیغِ اسلام میں مسلسل مصروف رہا اور وہ قرآن کریم کے اس ارشاد پر حسب استطاعت عمل پیرا رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دورہ جاری رہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

غزنوی اور غوری سلاطین بالخصوص نو مسلموں کو اسلام سکھانے (اور غالباً مسلمان ہونے کی خواہش رکھنے والوں کو مسلمان کرنے) کے لیے علماء کو متعین کرتے رہے[1]۔ ہمیں آرنلڈ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ ہندوستان کے سلاطین نے اشاعت اسلام کی مہم سے بالعموم بے توجہی کا رویہ اختیار کیے رکھا۔

منہاج الراج مصنف طبقاتِ ناصری نے ۱۲۲۱ء میں خود

---

[1] ابن الاثیر۔ الکامل ص ۹۹۔ عطبی ص ۲۹۷۔ گردیزی ص ۶۰

اپنے بیان کے مطابق ۹۹ پبلک تقاریر کیں اور انہیں قاضی القضاۃ نیز مذہبی امور کی نگرانی کے لئے سلطان کی طرف سے متعین کیا گیا۔ [۱]

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر اور دہلی کے نواح میں اشاعت اسلام کے لئے جو بیش بہا خدمات ادا کیں وہ اب تفاصیل کے ساتھ منظر عام پر لائی جا چکی ہیں۔ ہمیں ان کے متبعین کے بارے میں سیر العارفین کے جو منی میں موجود خطی نسخہ سے بعض نئی روایات حاصل ہوئی ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ایک ہندو نے صوفی حمید الدین کے ذریعہ اسلام قبول کیا۔ [۲]

۲۔ قطب الدین ایبک نے ایک مذہبی عالم حسن مشہدی کو اجمیر کا گورنر مقرر کیا۔ ان کے ذریعہ کئی ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور ہندوؤں کا ایک گروہ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اگرچہ وہ اسلام نہیں لائے (معلوم ہوتا ہے کہ یہ حسن مشہدی شیعہ عالم تھے۔

۳۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ایک مرید نے آگ

ص ۱ منہاج۔ طبقات ناصری انگریزی ترجمہ ص ۰۱،

ص ۲ سیر العارفین، خطی نسخہ ص ۱۶

میں زندہ داخل ہونے کا معجزہ دکھا کہ آتش پرستوں کے ایک گروہ کو مسلمان کیا (سیر العارفین ص۱۵، ۱۱، ۱۴)

مراۃ مسعودی کا اصل فارسی نسخہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا البتہ اس کے بعض حصوں کے تراجم سر ایلیاٹ کی "ہسٹری آف انڈیا" (انگریزی) میں درج ہیں[1]، وہاں سے ہمیں حسب ذیل واقعہ ملتا ہے:۔

۱۱۸۵ء میں جبکہ ابھی اجمیر میں رائے پھتورا کی حکومت تھی ایک مسلمان صوفی آئے (غالباً یہ خواجہ معین الدین چشتی یا ان کے کسی ساتھی کی طرف اشارہ ہے)، آپ نے اپنی قوت قدسی سے ایک ہندو عالم جوگی اجے پال کو جو رائے پھتورا کا مذہبی رہنما تھا اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔

فرشتہ کی ایک اور روایت میں مغان یعنی آتش پرستوں کو مسلمان کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آتش پرست جو غالباً ایران سے مذہبی دباؤ کے تحت آکر ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے ہندوؤں سے الگ جمعیت تھے[2]۔ چنانچہ لکھا ہے

---

[1] ایلیاٹ۔ ہسٹری آف انڈیا جلد ۲ ص۵۸۴

[2] جیسا کہ آج کل بھی کراچی اور بمبئی میں ان کی جمعیتیں ہیں۔

کہ ایک صوفی نے اپنے ایک معجزہ کے ذریعہ چار ہزار آتش پرست مغاؤں کو حلقۂ اسلام میں شامل کیا۔[1]

سیر العارفین میں ایک اور روایت ہے جو حضرت صوفی نظام الدین اولیاء کی سوانح میں اب تک ہماری نظر سے نہیں گذری وہ یہ کہ آپ کے لنگر کا خرچ دو ہزار تنکہ (قریب دو ہزار روپیہ[2]) تھا جو امراء اور اغنیاء کے نذرانوں سے پورا ہوتا تھا۔[3] ظاہر ہے کہ اس لنگر سے غیر مسلموں کو بھی مستفیض ہونے کا موقعہ ملتا ہو گا، جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مہمان سراؤں، لنگر خانوں اور شفا خانوں کے ذریعہ مسلمان سلاطین کے پیش نظر صرف خدمت خلق تھی اور اس میں کسی مذہب یا ذات پات کا امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا۔[4] یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی وفات کے بعد (اور ان کی زندگی میں بھی) ان کے رفقاء اور خلفاء نے تبلیغ اسلام

ح۱ تاریخ فرشتہ، طبع لکھنو، صفحہ ۱۴، و ۱۵۔

ح۲ ظاہر ہے قرون وسطےٰ کے روپیہ کی قیمت موجودہ زمانے کے روپیہ سے بہت زیادہ تھی

ح۳ سیر العارفین ص۱۳۵

ح۴ ملاحظہ ہو عفیف کی تاریخ فیروز شاہی لنگر خانوں اور مہمانوں کے عنوان کے تحت۔

کے لئے بنگال، دکن، گجرات کے کئی سفر اختیار کئے۔[1]

(۲) خلافت عباسیہ کے دامن سے وابستگی

ہندوستان میں اشاعت اسلام کا ایک بالواسطہ ذریعہ قرونِ وسطیٰ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی خلافت عباسیہ سے وابستگی تھی۔ یہ خلافت عباسیہ خواہ فرضی خلافت بھی ہو اور اگرچہ اسے دینیاتی ضمن میں خلافت نہ بھی سمجھا جائے تو بھی یہ خلافت ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک اتحاد و یگانگت کا موجب تھی اور مسلمانوں کی لیڈر شپ کو کامن ویلتھ کی طرز پر ایک کرشماتی تفوق دینے کا موجب ہوئی۔ محمود غزنوی سے لے کر محمد غوری تک، محمد غوری سے علاؤالدین خلجی تک اور خلجی سلاطین سے فیروز تغلق تک اور اس کے بعد کے عرصہ میں بھی سلاطین ہندوستان نے عباسی خلافت کو اپنا مذہبی اور سیاسی ماوٰی سمجھے رکھا اور نیاز مندی کے ساتھ دربارِ خلافت میں ہدایا اور سفراء بھجواتے رہے جس کے نتیجہ میں انہیں دربار خلافت سے خلعت عطا ہوتی تھی۔[2]

---

[1] سیر العارفین صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶
[2] یہ واقعات تقریباً سبھی تاریخی ماخذوں میں درج ہیں بالخصوص الکامل ابن الاثیر اور عفیف کی تاریخ فیروز شاہی۔

اب ظاہر ہے کہ خلافت کی برکات سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں قرآنِ پاک میں ارشاد ہے :

کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم
مِنھا فاصبحتم بنعمتہٖ اِخوانا ۔

یعنی اس نعمت مرکزیت کے نتیجہ میں مسلمان انشقاق و اختلاف کی آگ سے بچ کر ایک دوسرے کو اپنا بھائی تصور کرتے ہیں خواہ ایک بھائی چین میں ہو یا ہندوستان اور دوسرا بغداد اور المغرب میں ہو۔ پھر بھی جو لوگ برکت اور نعمت کے مفہوم کے قائل نہیں ہم ان سے یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ "خلافت کا کرشمہ"[1] نہیں تھا تو اور کیا تھا کہ قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں کی ایک کامن ویلتھ قائم ہو چکی تھی اور ہندوستان کے سلاطین آزاد و بے نیاز ہونے کے باوجود دربارِ خلافت کے سامنے کیوں سرِ نیاز خم کرتے رہے ۔ ؟ صرف اس وجہ سے کہ انہیں

ح[1] یہ اصطلاح CHARISMA دورِ حاضر کی پولیٹیکل سائنس میں کسی لیڈر کے فوق العادت اثرات اور صفات کے اظہار کے لئے استعمال کی جاتی ہے ۔ ملاحظہ ہو میکس ویبر کی کتاب " ایسے آن دی سوشیالوجی آف ریلیجن "۔

ہر طرف سے اور عالمِ اسلام کے گوشہ گوشہ سے مسلمانوں کی دعائیں اور نیک تمنائیں پہنچتی رہیں اور تا ہندوستان کے نومسلم اپنے آپ کو ایک عالمی زنجیر میں منسلک تصور کریں ۔

(۳) غیر مسلموں سے شادی بیاہ اور معاشرتی اختلاط

ہندوستان میں متعدد مسلمان رؤسا اور سلاطین نے غیر مسلموں سے معاشرتی اختلاط سے کبھی بے رخی نہیں برتی بلکہ کئی ہندو عورتوں کو مسلمان کر کے (اور استثنائی حالتوں میں مسلمان کئے بغیر) حرم میں شامل کیا جاتا رہا ۔ فیروز تغلق کی والدہ ہندو گھرانہ سے تعلق رکھتی تھیں اور بعد میں مسلمان ہوئیں[1] ۔ شہاب الدین غوری نے ایک راجہ کی دختر سے شادی کی لیکن شادی سے قبل راجہ کی بیٹی نے اسلام قبول کر لیا[2] ۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے علاؤ الدین نے ہندو حرم سرا کو مسلمان کئے بغیر اپنے عقد میں رکھا ۔ لیکن اس سیدھی سادی روایت کو بھی ایک انگریز مترجم نے نہایت مکروہ اور غلیظ رنگ میں پیش کیا ہے ۔ چنانچہ برگ (BRIGG) تاریخ فرشتہ کا انگریزی

ص۱ عفیف تاریخ فیروز شاہی ۔ صفحہ ۳۷ تا ۴۵

ص۲ تاریخ فرشتہ ص۲۰۸

ترجمہ کرتے ہوئے صفحہ ۳۶۲ پر لکھتا ہے :-

"علاؤالدین نے راجہ کی دختر کی بے پناہ خوبصورتی کو پاکر راجہ سے قید کی حالت میں برا سلوک اس لئے کیا کہ سے کیا کہ اس کی لڑکی سے بدکاری کر سکے۔[1]"

ہمیں تاریخ فرشتہ کے اصل فارسی یا حیدر آباد سے مطبوعہ اردو ترجمہ میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ملا جس میں سلطان کے راجہ کی دختر سے بدکاری کے عزائم کا ذکر ہو۔ موجودہ تحقیقات میں یہ بات خود ہندو مورخین کی طرف سے تسلیم کی گئی ہے کہ یہ روایت بے بنیاد ہے اور افسانوی رنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ بایں ہمہ مسلمان سلاطین اور امرار کا ہندو گھرانوں میں شادی کرنا یا قرون وسطےٰ کے دستور کے مطابق حرم میں لانا تاریخی ماخذ میں متعدد مقامات پر مذکور ہے اور اس کے نتیجہ میں حرم یا اس کے سارے خاندان کے اسلام لانے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ پس یہ معاشرتی اختلاط بھی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا موجب ہوئی۔

---

[1] اس روایت کے غلط ہونے کے بارہ میں "مصرا" کی کتاب "دی رائز آف مسلم اِن گجرات" میں بھی بحث درج ہو چکی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ صاحب حیثیت مسلمان اسلام کی تعدد ازدواج کی تعلیم پر قرون وسطےٰ کے معروف رواج کے مطابق عمل کرتے رہے اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کی رفتار ترقی ہندوں کے بالمقابل کئی فی صد زیادہ رہی۔ قرونِ وسطےٰ میں ہندؤں کے تعدد ازدواج کے متعلق ہمارے تاریخی ماخذ میں روایات بہت کم ملتی ہیں۔ تاہم جیسا کہ آج تک ہندؤں میں تعدد ازدواج کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے قرون وسطیٰ میں بھی ہندوں کا صرف ایک محدود طبقہ ہی تعدد ازدواج پر عمل پیرا ہو سکتا ہوگا جن کی تعداد ان مسلمانوں کے بالمقابل کم تر رہی جو تعدد ازدواج کی استطاعت رکھتے تھے۔ اور اپنے قانون و دستور کے مطابق اس پر بہ طیب خاطر عمل پیرا ہوتے تھے۔

(۴) وسط ایشیا سے ہندوستان آکر آباد ہونیوالے مسلمان

قرون وسطیٰ میں ہزاروں مسلمان وسط ایشیا، ایران اور افغانستان سے آکر ہندوستان میں آباد ہوتے رہے۔ یہ اندازہ لگانا اگرچہ مشکل ہے کہ موجودہ زمانہ میں ہند و پاکستان میں جو مسلمان ہیں ان میں کتنے فی صد قرون وسطیٰ کے آباد کاروں کی اولاد ہیں۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق موجودہ زمانہ کے ۲۰ فی صد مسلمانوں کی تعداد ایسے آبادکاروں

کی اولاد ہے[1]۔ یہ تعداد کہاں تک درست ہے اس بارہ میں ہم کسی قطعی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ہمارے اندازہ کے مطابق وسط ایشیا سے ہندوستان آکر آباد ہونے والوں کی اولاد موجودہ زمانہ میں ۲۰ فی صد سے کم نہیں ہو سکتی زیادہ ہو تو ہو۔

چنگیز خاں[2] کے متبعین منگول سلطنت دہلی کے زمانہ میں کئی مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور ان میں سے اکثر ناکامی کے بعد ہندوستان میں اسیری سے آزاد ہو کر مسلمان ہوئے۔ ان کی اولاد دل نے تغلق سلاطین کی فوج میں اعلےٰ عہدے پائے۔ چنگیز خاں کا داماد خلج خاں جو بعد میں آنے والے خلجی خاندان کا مورث اعلیٰ تھا، بارھویں صدی کے آخر میں غور اور گرجستان سے تیس ہزار ساتھیوں کے ساتھ آکر ہندوستان میں آباد ہوا[3]۔ نیز روایت ہے کہ تیرھویں صدی میں الغ خاں منگول نے چار ہزار منگولوں سمیت جلال الدین خلجی کی اطاعت

ح۱ عابد حسین کی کتاب "دی مسلمان ان انڈیا" ہائیڈل برگ ۱۹۴۲

ح۲ یہ روایت مختلف فیہ ہے کہ چنگیز خاں خود ہندوستان آیا کہ نہیں۔ بلاحظہ ہو تاریخ جہاں کشا کا انگریزی ترجمہ

ح۳ طبقات اکبری صفحہ ۵۶ تا ۶۲۔

میں اسلام قبول کیا[1]۔ یہ منگول انہی منگول قبائل کا حصہ تھے جنہوں نے ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کرکے عباسی خلافت کو شکست دی اور جس طرح بغداد پر حملہ کرنے والے منگولوں نے بکثرت اسلام قبول کیا اسی طرح جن منگولوں نے ہندوستان پر حملہ کیا ان کی اکثریت بھی ناکامی کے بعد ہندوستان میں آباد ہو کر مسلمان ہو گئی۔

بہاؤالدین طغرل کی گورنری میں ہزاروں لوگ ایران اور خراسان سے آکر گجرات میں آباد ہوئے[2]۔

ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے دربار میں بکثرت ہندوستان میں آکر آباد ہونے والے مسلمانوں کو ممتاز عہدے دیئے گئے اور محمد تغلق نے حکم دے دیا کہ خراسان سے وہی لوگ ہندوستان میں آنے دیئے جائیں جو ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں آباد ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں[3]۔ خراسان کے ساتھ تجارت درآمد و برآمد تو بکثرت جاری رہی۔ منجملہ دوسری چیزوں کے کئی غلام ہندوستان لائے

---

[1] طبقات اکبری اور تاریخ فیروز شاہی از برنی۔

[2] منہاج السراج۔ طبقات ناصری صفحہ ۱۹۴

[3] سفرنامہ بطوطہ، صفحہ ۱۸۴ تا ۱۹۰

جاتے اور ہندوستان سے باہر بھجوائے جاتے تھے[۱] مسلمان حکمران طبقہ کے سارے غلام باعزت زندگی بسر کرتے تھے اور ان میں سے اکثر اسلام قبول کر کے مکاتبت وغیرہ کے رنگ میں غالباً آزاد کئے جاتے رہے۔ فیروز تغلق کے عہد میں غلاموں کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ کم تھی۔[۲]

(۵) ذاتی تحقیق کے نتیجہ میں ہونے والے مسلمان

ہندوستان کے کئی باشندے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد اِکا دکا مگر مسلسل مسلمان ہوتے رہے۔ کچ اور مسیح قبیلہ کے ایک رئیس نے محمد بختیار کی آمد کا سُن کر اسلام سے واقفیت حاصل کی اور مسلمان ہو گیا[۳] محمود غزنوی کے حریف "جے پال" کے ایک جرنیل نے ذاتی مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم کی کہ گائے کا گوشت کھانے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ راجہ نے اس کو

ح۱ یحییٰ، تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۱۱۰

ح۲ عفیف، تاریخ فیروز شاہی

ح۳ طبقات ناصری، انگریزی ترجمہ صفحہ ۵۸

ایسی رائے رکھنے کی پاداش میں قید میں ڈال دیا۔ وہ قید سے بچنے میں کامیاب ہو گیا اور غزنی جا کر اسلام قبول کر لیا۔[1]

اسلامی تعلیمات میں جو فطری کشش ہے اس سے کسی کافر کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر کے جے پال کے اس جرنیل کی طرح اور بھی کئی ہندوستانی باشندے مسلمان ہوئے ہوں گے۔

سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں خان جہاں بہت مقبول ہو گذرا ہے جو پہلے ایک ہندو جرنیل تھا مگر بعد میں از خود مطالعہ سے اس نے اسلام قبول کر لیا۔[2] فیروز تغلق کے زمانہ میں انہیں وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

پندرھویں صدی میں راجہ خان ایک ہندو رئیس تھے، اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، مگر سیاسی مصلحت کی بنا پر کچھ عرصہ تک اپنے مسلمان ہو گئے کا اعلان نہیں کیا۔[3]

ح ۱ شریف بن منصور، آداب الحرب والشجاعۃ، صفحہ ۸۹

ح ۲ عفیف، تاریخ فیروز شاہی۔

ح ۳ نعمت اللہ۔ مخزن افغانی، صفحہ ۲۳

سندھ کا ایک رئیس "دولبارائے" نہایت ظالم حکمران تھا اس کے بھائی "چاتا امرانی" نے اس کے مظالم سے نفرت کرتے ہوئے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا اور سارا قرآن پاک بعد میں مسلمان ہو کر حفظ کیا[1] اور اسلام کی کئی خدمات انجام دیں۔ —— اسی طرح سندھ کے ایک حکمران نے ۱۳۹۱ء میں ازخود اسلام قبول کیا[2]۔

ایک ہندو برہمن عالم "کبیر" نے اسلام کا ذکر سن کر لکھنوتی کی مسجد میں جا کر اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا شروع کیں اور پھر نماز جمعہ کے بعد مسجد کے امام اور قاضی رکن الدین کے ساتھ کئی گھنٹے تبادلہ خیالات کرتا رہا۔ یوگی کو روح کے متعلق تسلی بخش تعلیمات کی تلاش تھی۔ جب اسے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ بعد میں اس نے اسلام پر کئی ایک کتابیں لکھیں۔

یہ چند ایک مثالیں ایسی ہیں جو ہم نے خود ماخذ کے مطالعہ کے

ح ۱ تاریخ طاہری، صفحہ ۳ تا ۶

ح ۲ فرشتہ، صفحہ ۴۲۵

ح ۳ حومن الحیاۃ، خطی نسخہ، گوبھاجرمنی صفحہ ۲ تا ۳

کے دوران جمع کیں۔ ایسی کئی اور مثالیں بھی تذکرۃ الاولیاء اور تاریخی کتب میں درج ہو چکی ہیں۔ نیز کئی مثالیں لازماً ایسی بھی ہونگی جن کا ذکر تاریخ میں نہیں آسکا۔

حرفِ آخر

ہمارے طرزِ تنقید پر ایک امکانی تنقید کا جائزہ!

ہم نے جو تاریخی تنقید کی ہے ممکن ہے اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تنقید مسلمانوں کے نقطہ نظر کی حمایت کے پیشِ نظر کی گئی ہے اور یہ کہ ضروری نہیں کہ ایک مسلمان کے قلم سے ان واقعات پر صحیح تنقید ممکن ہو۔ ؎۱ ہم اس بارہ میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ

؎۱ چنانچہ ڈاکٹر شپولر نے رسالہ ORIENS 1964 میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب پر ریویو کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا ہے کہ دیکھو موجودہ زمانے کے مسلمان قرونِ وسطیٰ کے لوگوں کے قبولِ اسلام کو خواہ مخواہ مذہبی جذبہ کا نتیجہ قرار دیتے ہیں حالانکہ قرونِ وسطیٰ کے تاریخ نویسوں کی آنکھوں کے سامنے لوگوں کو بالجبر مسلمان کیا جاتا رہا اور انہوں نے عینی شہادت اپنی تواریخ

تاریخ نویسی کی یہ مشکل کئی سو سال پہلے ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ میں درج کی ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ہر شہادت یا تاریخی واقعہ کا بیان مصنف کے ذاتی عقائد سے متاثر ہو سکتا ہے ۔ اس ضمن میں ہم یہ عرض کریں گے کہ ہم نے صرف مثبت اور مقصدی رنگ میں تاریخ قبولیت اِسلام کا تصور اپنانے کی کوشش کی ہے ، اور اس حقیقی تصور کے پیش نظر ان واقعات کی تردید کی ہے جو انگریز مصنفین نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے مشہور کر رکھے تھے ۔ اگر ہماری اس کوشش اور انصاف پسندی کے باوجود کسی پہلو سے ہماری کوئی رائے ہمارے بیانات پر اثر انداز ہوئی ہو تو اس بارہ میں اس قرآنی قول پہ اکتفا کرتے ہیں :-

قل کل یعمل علیٰ شاکلتہٖ فربکم اعلم بمن ھوَ
اَھدٰی سبیلا (بنی اسرائیل)

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض

بقیہ از گذشتہ صفحہ ۔ میں ریکارڈ کی ہیں ۔ نیز امریکن پروفیسر ایبٹ نے "سٹڈیز ان اسلام" جلد اوّل ۱۹۶۵ میں یہی اعتراض دہرایا ہے کہ مسلمان سلاطین نے قتل یا قبولیت اسلام کا انتخاب ہندوؤں کو دیا تھا ۔

کسی غیر مسلم مؤرخ کو یہ ثابت کرنے کا موقعہ مل بھی جائے کہ کسی مسلمان سلطان نے غیر مسلموں کو مخصوص زمانہ میں بالجبر مسلمان کیا تو اس سے مذہب اسلام اور اسلامی تعلیمات پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ ان سلاطین میں سے کئی ایک ایسے بھی تھے جو صرف برائے نام مسلمان تھے اور بالفعل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں تھے۔ لہٰذا ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہم بحیثیت مسلمان (جس پر ہمیں فخر ہے) موجودہ زمانہ میں قرون وسطی کے ہر مسلمان کے طریق عمل کی حمایت کرنا چاہتے ہیں۔ مذہب اسلام کی تعلیم تبدیلی مذہب کے بارے میں بہت واضح ہے کہ لا اکراہ فی الدین یعنی تبدیلی مذہب کے معاملہ میں کبھی بھی جبر نہیں ہو سکتا۔ فیج اعوج کے زمانہ میں اگر کسی اکا دکا سلطان نے کسی غیر مسلم کو اس تعلیم کے خلاف مسلمان ہونے پر مجبور بھی کیا ہے تو اس سے مذہب اسلام اور اس کی روشن تعلیمات کو نشانہ اعتراض بنانا انصاف پسندی کے تقاضوں کے بالکل منافی ہے۔

باایں ہمہ خود انگریز مصنفین کی حسب ذیل رائے کو بھی دہرانا مناسب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالف تاریخ نویسوں نے اپنی تاریخ نویسی میں VALUE JUDGEMENT کو کہیں زیادہ اثر انداز ہونے دیا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ انکی متعصبانہ

آزاد کا تاریخی ماخذ میں تنقیدی مطالعہ کرتے، چنانچہ انگریز مورخین کے متعلق حسب ذیل تنقید جو ایک انگریز پروفیسر نے لکھی ہے ملاحظہ ہو

"انگریز مصنفین نے تاریخی حقائق کو اپنے سامنے آنے والے مسائل حاضرہ کی روشنی میں ڈھالنے کی سعی کی ہے"۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو بے حوصلہ کرنے کی غرض سے تاریخی بیانات کو اس رنگ میں ڈھال کر بیان کیا جس سے یہ غلط نتیجہ نکالا جا سکے کہ مسلمانوں کو قرون وسطیٰ میں بالجبر یا روپیہ دے کر مسلمان کیا جاتا رہا ہے لہٰذا ہمارے لئے بھی ضروری تھا کہ تاریخی حقائق کے تنقیدی مطالعہ میں انگریزوں کے اس غیر منصفانہ رویہ کو ملحوظ خاطر رکھیں، وگرنہ ہم نے کسی مقام پر عمداً کسی تاریخی واقعہ کو اپنی رائے سے متاثر نہیں ہونے دیا اور نہ کسی مفروضہ سانچے میں ڈھالا ہے۔

ایک جغرافیائی جائزہ

اس امر کا جغرافیائی جائزہ کہ ہندوستان کے کس صوبے میں اسلام کس دور میں پھیلا ہمارے مقالہ سے متعلق نہیں ہے تاہم ضمیمہ کے رنگ میں ہم اپنے تاثرات قلمبند کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ محققین کو اسلام کی ہندوستان میں اشاعت کے جغرافیائی مطالعے کا مزید تفصیلی موقعہ مل سکے گا۔

۱۔ سندھ نیز ملتان بہاولپور اور جنوبی ہندوستان کے علاقہ مالابار میں اسلام ابتدائی صدیوں یعنی آٹھویں نویں صدی میں ترقی پذیر مذہب تھا۔

۲۔ مغربی پنجاب اور مغربی پاکستان، شمال مغربی سرحدی ضلع جات میں اسلام نے غزنوی اور غوری عہد میں زیادہ ترقی کی یعنی گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں۔

۳۔ دہلی اور وسطی ہندوستان نیز لکھنؤ و حیدرآباد کے علاقوں میں اسلام چودھویں و پندرھویں صدی میں رفتہ رفتہ پھیل رہا تھا

بعد میں وہاں اشاعت اسلام ہندؤں کے ردِ عمل کی وجہ سے
رک گئی۔

۴۔ کشمیر میں اسلام چودھویں و پندرھویں صدی عیسوی میں خصوصیت
سے پھیلا۔ بعد میں مغلیہ عہد سلطنت میں بھی وہاں اشاعتِ
اسلام ہوتی رہی۔

۵۔ بنگال اور بہار کے علاقوں میں اسلام سترھویں سے بیسویں
صدی تک کے زمانہ میں خصوصیت سے اشاعت پذیر رہا۔

۶۔ مشرقی پنجاب کے علاقوں میں اسلام کو سولھویں سے اٹھارھویں
صدی کے زمانہ میں کچھ سکھوں کی تبدیلیٔ مذہب کی رَد کے نتیجہ
میں اور کچھ مغربی پنجاب سے آکر آباد ہونیوالے مسلمانوں سے
معاشرتی اختلاط کے نتیجہ میں ترقی حاصل ہوئی۔

یہ جغرافیائی تقسیم ہمارے تاثرات کا نتیجہ ہے۔ اگر اس بارہ
میں مکمل تحقیقات ہو سکے تو مؤرخین ہندوستان کے لئے دلچسپی
سے خالی نہ ہو گی۔

کتابیات

اُردو ، فارسی اور عربی کتب

ضیاء الدین برنی	تاریخ فیروز شاہی	کلکتہ ۱۸۶۲
شمس الدین عفیف	تاریخ فیروز شاہی	کلکتہ ۱۸۹۱
یحییٰ ابن احمد سرہندی	تاریخ مبارک شاہی	کلکتہ ۱۹۳۱
نظام الدین احمد	طبقات اکبری	کلکتہ ۱۹۱۳، ۱۹۳۱
بلا نام مصنف خطی نسخہ	سیرت فیروز شاہی	انڈیا آفس لائبریری
" " "	فتوحات فیروز شاہی	جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۴۱
محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ	گلشن ابراہیمی و تاریخ فرشتہ	
ضیاء الدین برنی	فتاویٰ جہانداری خطی نسخہ	انڈیا آفس لائبریری
سفر نامہ ابن بطوطہ	پیرس ۱۸۷۷	
وجاہت حسین عندلیب شادانی	مسلم ہسٹورین آف انڈیا ۱۹۳۴	
عبدالرشید	ضیاء الدین برنی پر تنقید	مسلم یونیورسٹی جرنل علیگڈھ
افسر عثمانی	برنی کی فتاویٰ جہانداری کا انگریزی ترجمہ، کتاب محل الہ آباد، ۱۹۶۲	
غلام حسین سلیم	ریاض السلاطین	کلکتہ ۱۸۹۸
عطبی	تاریخ الیمینی	لاہور مطبوعہ ۱۹۳۰ (تقریباً)
ابن الاثیر	الکامل	قاہرہ ، ۱۹۳۰

10. PHILLIPS & OTHERS	HISTORIAN OF INDIA PAKISTAN & CYLON, London 1958
11.	NEW ENCYCLOPEDEA OF ISLAM, Leiden 1956
12. ISHAQ MUHAMMAD	THE ARABIC-ISLAMIC CULTURE OF ABBASIDE PERIOD AS VIEWED BY MODERN ARAB & MUSLIM HISTORY WRITERS, M. A. DESSERTATION, Hamburg. 1967.

SELECTED BIBILIOGRAPHY OF ENGLISH WORKS

1. SIR H. M. ELLIOT	THE HISTORY OF INDIA AS TOLD BY ITS OWN-HISTORIA-NS LONDON 1967
2. DR. P. HARDY	HISTORIANS OF MEDIEVAL INDIA LONDON 1960
3. A.B.A. HABIB-ULLAH	RE-VALUATION OF THE LITERARY SOURCES OF PRE-MOGHUL HISTORY.
4. V. SMITH	OXFORD HISTORY OF INDIA, VARIOUS EDITORS 1919-1963
5. T. W. ARNOLD	THE PREACHING OF ISLAM, London 1913
6. R. G. COLLING-WOOD	AN IDEA OF HISTORY, Oxford 1946
7. S. LANE-POOL	MEDIEVAL INDIA, London 1903
8. C. A. STOREY	PERSIAN LITERATURE, BIO-BIBILIOGRAPHICAL SURVEY, London 1951
9. I. H. QURESHI	THE MUSLIM COMMUNITY OF INDIA AND PAKISTAN, Holland 1963

particularly rejectable if examined in the light of the research on medieval Indo-muslim historical writings conducted at the University of London during the past decade. We disagree with the opinion commonly held that FATUHATI-FEROZ SHAHI had been written by Sultan Feroz himself. It is not his autobiography rather a panegyric in which typical qualities of an ideal Muslim Sultan, as persumed by Indian Muslim theologians have been imposed upon the Sultan.

As greater attention is being devoted to the cultural and social history of Medieval Muslim India, there is a more need of Sociological & Historical analysis of isl.. .iza-tion of Indian Muslim.. Methods employed by the medieval muslim missionaries for the proselytization of the Hindus, and other means of the propagation of Islam in earlier ages may provide a number of guiding principles for the missionaries of modern times.

Most of the source books employed for this study were borrowed from German & British libararies. The author wishes to thank all those who extended their co-operation in making the material available.

In translation of Arabic, Persian & Urdu words the scheme proposed by the New Encyclopedia of Islam has been employed.

DR. HAFIZ MUHAMMAD ISHAQ KHALIL

ZURICH-SWITZERLAND

RESUME

IN THIS DESSERTATION the theory has been supported that certain oft-quoted historical narratives concerning the forced conversions of Hindus to Islam in India in the middle ages around 1000-15C0 A.C. are historically unfounded. Such reports had been mis-contrued by the British and non-muslim translators and compilers of the original sources of Indo-Islamic History during the period of British domination in India, with a view to justify the taking away of the rulership of India of the British from the Muslims. These reports which emphasize the alleged declaration of the medieval Muslims against the Hindus to choose between DJIZYA, Islam or death have unfortunately been mis-interpreted by a number of contemporary writers of Indian History to the disadvantages and unfavourable reputation of the Indian Muslims.

There is no historical authenticity of the reports concerning Bengal Muslims that they were converted to Islam by force during the reign of SULTAN DJALAL-AL-DIN.

As for conversions allegedly procured by Sultan Feroz Tughlaq by means of imposing DJIZYA on the Hindus, we submit that this report is ısu orspuand is

CONVERSION TO ISLAM

IN INDIA

(1000 —— 1500 A. C.)

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No.________
★ MAILSI ★

By

Dr. Hafiz Mohd. Ishaq Khalil
Zurich—Switzerland

[ام جھ ل]

1 8 FEB 2021